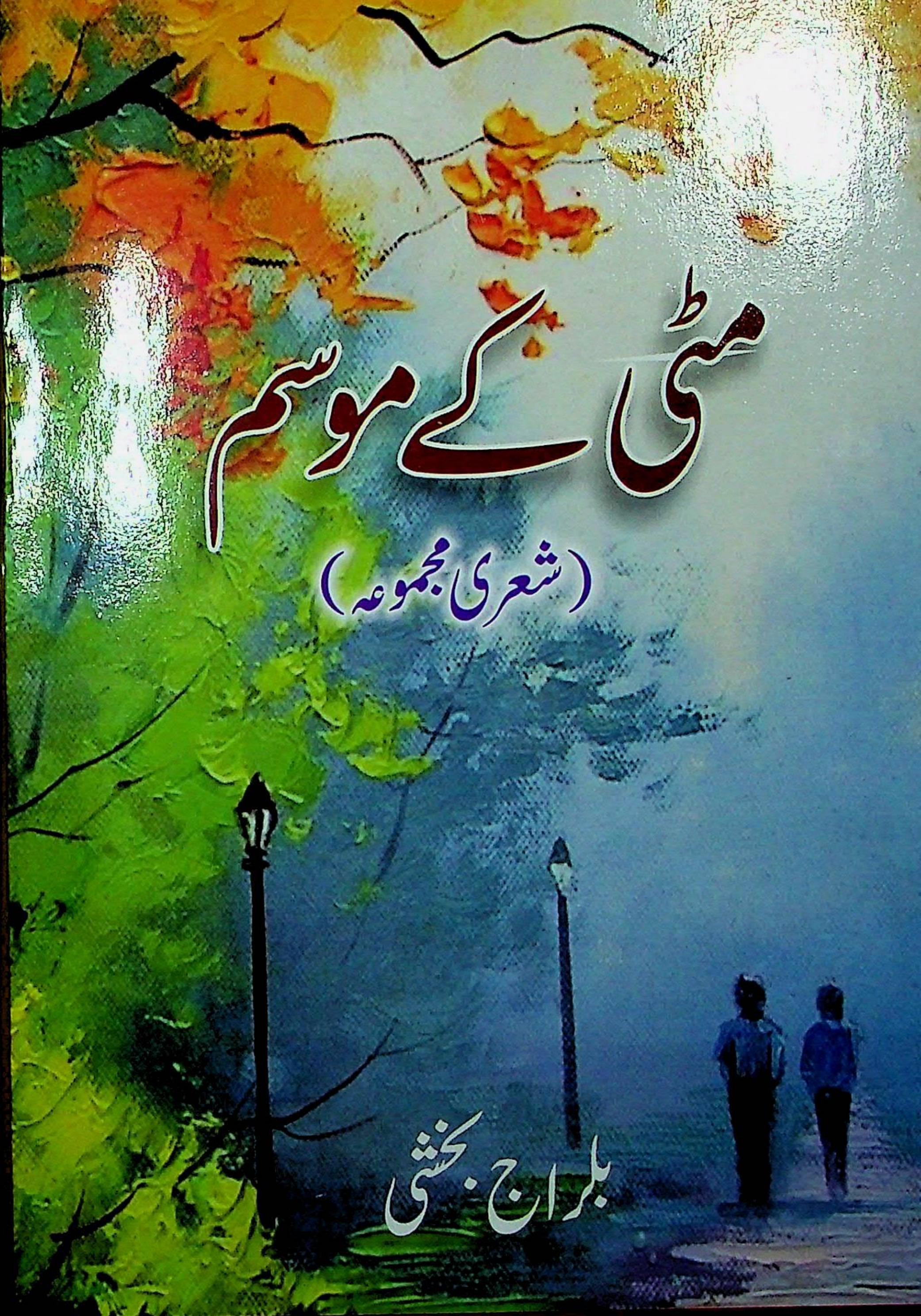


مٹی کے موسم

(شعری مجموعہ)

بلراج بخشی

اوشین پبلشنگ ہاؤس۔ ادھم پور (جموں و کشمیر)

79

مٹی کے موسم

(شعری مجموعہ)

بلراج بخشی

اوشین پبلشنگ ہاؤس ادہم پور (جموں وکشمیر)

Mitti Kay Mausam

(Poetry)

by: **Balraj Bakshi**
Mob: 9419339303
email: balrajbakshi1@gmail.com

Year of Publication : 2021
ISBN:**978-93-5526-419-0**

نام کتاب: مٹی کے موسم
مصنف : بلراج بخشی
سنہ اشاعت: 2021
تعداد : ایک ہزار
صفحات : 202
قیمت : -/300 روپے
کمپوزنگ: انصاری صبیحہ اطہر
سرورق : سید اسد علی واسطی
طباعت : نیو پرنٹ سینٹر، دریا گنج، نئی دہلی
زیر اہتمام: انصاری اطہر حسین

حالی پبلشنگ ہاؤس، 275/6، للیتا پارک،
لکشمی نگر، دہلی۔110092 فون:8800489404

ملنے کے پتے

اسٹار پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، 4/5B، آصف علی روڈ نئی دہلی-110002
Ph. 011-23257220,23261696 email: info@starpublic.com
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی، علی گڑھ، ممبئی / بک ایمپوریم، سبزی باغ، پٹنہ (بہار)
موڈرن پبلشنگ ہاؤس، 9 گولہ مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی۔6
قاسمی کتب خانہ، تالاب کھٹیکاں، جموں-180001 (جموں کشمیر) فون:9797352280
الرحمن بک فاؤنڈیشن، 12-اپر گوجر نگر، جموں توی (جموں کشمیر) فون: 941930635
میزان پبلشرز، بٹ مالو، سرینگر (جموں کشمیر) فون: 7006773403, 8494002212

Published by
OSHIN PUBLISHING HOUSE
Adarsh Colony, Udhampur-182101(J&K)
email: oshinpublishinghouse@gmail.com

انتساب :

شریکِ سفر

ریکھا (پروین)

کے نام

تُو نے اک پھول پر نظر کی تھی
میں گلستاں سمیٹ لایا تھا

فہرست تخلیقات

غزل

ستم نئے سے نئے ہم پہ ڈھائے جاتے ہیں
کہ رونا چاہتے ہیں جب ہنسائے جاتے ہیں

خطائیں ایسی کہ ہوتی ہیں خود بخود سرزد
فریب ایسے کہ دانستہ کھائے جاتے ہیں

ہمیں تو روز وفا کا ثبوت دینا ہے
کہ ہم تو وہ ہیں جو روز آزمائے جاتے ہیں

نہ درد جائے نہ ان کے نشاں مٹیں دل سے
کہاں سے ڈھونڈ کے یہ زخم لائے جاتے ہیں

وفا ، خلوص و محبت اور اعتماد و یقیں
زمیں کے کون سے خطے میں پائے جاتے ہیں

کوئی سراغ نہ چہرہ بیاں کرے بلراؔج
دلوں کے درد دلوں میں چھپائے جاتے ہیں

⊙⊙⊙

غزل

حادثے اور بھی ہیں شہر میں ہونے والے
آنسوؤں کی نہ کمی ہو کہیں رونے والے

ضابطے کھیل کے آسان ہوئے جاتے ہیں
اب جو تیریں گے وہی ہوں گے ڈبونے والے

ایسی تہذیب نظر آنے لگی بچوں میں
نظر آتے نہیں گلیوں میں کھلونے والے

مری گستاخیاں باقی ہیں ابھی تھوڑی سی
تم بھی کچھ دیر شرافت نہیں کھونے والے

نیند تو نیند ہے کانٹوں پہ بھی آ جاتی ہے
سو ہی جاتے ہیں کہ ہوتے ہیں جو سونے والے

اب کے جو کاٹنی ہے فصل لہو کی بلراؔج
یہ وراثت مرے اجداد ہیں بونے والے

⊙⊙⊙

غزل

ہم نے مل جل کے جلایا ہے جو گھر کس کا تھا
اپنی تلوار ، گلا اپنا ہے ، ڈر کس کا تھا

مجھ کو بزدل نہ کبھی لکھنا قبیلے والو
تم نے دیکھا نہیں نیزے پہ وہ سر کس کا تھا

میں نہ کہتا تھا مٹانا نہ ابھی سارے ثبوت
اور اب پوچھ رہے ہو یہ کھنڈر کس کا تھا

اس طرح ہو گئے تقسیم کہ سوچا بھی نہیں
کس کی شاخیں ہیں ، ثمر کس کے، شجر کس کا تھا

میں تو بلراؔج کہ مقتول بھی ہوں قاتل بھی
قتل میں میرے مگر دست ہنر کس کا تھا

⊙⊙⊙

غزل

کوئی بھی اعتراف ہو جاؤں
اک خطا ہوں معاف ہو جاؤں

تابشیں اپنی کر دوں تیرے نام
اور تیرا لحاف ہو جاؤں

ایک تحریرِ نامکمل ہوں
ایک پیراگراف ہو جاؤں

راز بن کر رہوں ترے دل میں
دفعتاً انکشاف ہو جاؤں

مان ہی لوں گناہ ناکردہ
اور وعدہ معاف ہو جاؤں

اب تو میں بھی نظر نہیں آتا
کتنا شفاف و صاف ہو جاؤں

حرف سے لفظ بن تو لوں پہلے
بعد میں شین قاف ہو جاؤں

حد تک متفق رہوں بلراجؔ
اور پھر اختلاف ہو جاؤں

⊙⊙⊙

غزل

سڑک کے بیچ چلنا بھی ہے مجھ کو
مگر بچ کر نکلنا بھی ہے مجھ کو

پگھلنا ہی مرا کافی نہیں ہے
کسی صورت میں ڈھلنا بھی ہے مجھ کو

ذرا سی چھاؤں نے یہ شرط رکھ دی
کہ دھوپ آئے تو جلنا بھی ہے مجھ کو

طبیعت اس لیے ضدی نہیں ہے
وہ جب چاہے بدلنا بھی ہے مجھ کو

حسیں چہرے نہ رنگ و بو کی محفل
کسی صورت بہلنا بھی ہے مجھ کو

بہکنے کی طلب جس وقت ہو گی
اسی لمحہ سنبھلنا بھی ہے مجھ کو

رُکا ہوں اس لیے بلراؔج پیچھے
ابھی آگے نکلنا بھی ہے مجھ کو

⊙⊙⊙

نظم

نروان

میں اس نسل کا آخری آدمی ہوں
مرے سامنے دونوں تابوت ہیں
ماضی وحال کے
ان پہ لکھا ہوا سارا افسانۂ ارتقا ،
فلسفہ ،
ساری تہذیب کا مرثیہ ،
مضمحل آرزوؤں کی تضحیک بھی ،
اس زمیں کے تقدس کی تذلیل بھی ،
سب مرے سامنے ہے
میں سب جانتا ہوں۔
کئی عظمتوں کے منارے
فلک سے بھی اونچے تھے جو
میری نظروں میں اب منہدم ہو چکے ہیں۔

مرے سامنے دونوں تابوت ہیں
ماضی و حال کے
چاروں اطراف ساکت ہیں، جامد ہیں،
حرکت کوئی بھی
کہیں بھی نہیں،
میں اکیلا خموشی کی اس بیکرانی میں
نوحہ گری کر رہا ہوں۔

کہ میں
وقت کی دونوں لاشوں کی
تاریخ لکھ کر اٹھوں اور پھر
وقت کے تیسرے جسم کو
زندگی بخش دوں،
مجھ پہ ذمہ ہے یہ،
وقت کے تیسرے جسم کی زندگی مجھ میں مضمر ہے،
میں نسل آئندہ کی اک شروعات ہوں،

جدامجد ہوں میں
کل کا آدم ہوں میں

اب یہی سوچتا ہوں
وہی سلسلہ
مضمحل آرزوؤں کی تضحیک کا،
اس زمیں کے تقدس کی تذلیل کا

پھر سے کر دوں شروع
یا کہ اب تیسری قبر اپنے لیے کھود کر
دفن ہو جاؤں میں
کل کا امکاں سرے سے مٹا دوں
کہ میں کل کی نسلوں کو نروان دے دوں۔

⊙⊙⊙

غزل

اگر کبھی کسی صورت سے جی بہل جاتا
رکا پڑا کوئی آنسو ہوں میں نکل جاتا

بچھڑنا اپنا مقدر ازل سے ہے لیکن
یہ سانحہ کسی اگلی گھڑی کو ٹل جاتا

قدم ذرا سے کسی اور سمت اٹھ جاتے
ہمیشہ کے لیے گھر کا پتہ بدل جاتا

اسے جو میری ضرورت اگر رہی ہوتی
کسی بھی شکل میں وہ چاہتا میں ڈھل جاتا

تمہارے آنے سے صحرا میں پھول تو کھلتے
مرے مزاج کا موسم بھی کچھ بدل جاتا

قدم قدم پہ سہارے کا ہو گیا محتاج
اگر نہ تھامتا کوئی تو میں سنبھل جاتا

صدائے خیر نہ بلراؔج روک لیتی اگر
بلا نشانہ اندھیرے میں تیر چل جاتا

⊙⊙⊙

غزل

کئی راستے میں جہاں آ گئے
پہنچنا کہاں تھا کہاں آ گئے

مرا سلسلہ یوں ہی چلتا رہا
زمینیں گئیں آسماں آ گئے

سفر ختم کچھ اس طرح سے ہوا
جہاں سے چلے تھے وہاں آ گئے

وہ مجھ سے زیادہ مرے پاس تھا
عجب فاصلے درمیاں آ گئے

سبق زندگی کا بدلتا رہا
نئے سے نئے امتحاں آ گئے

کوئی بے ارادہ سا تھا حادثہ
سر راہ بے خانماں آ گئے

کہاں تک نہ بلراج پھیلے تھے ہم
جو سمٹے کراں تا کراں آ گئے

⊙⊙⊙

غزل

درد میرے ہیں تو آرام سے سہنے دیتے
تم اگر مجھ کو میرے حال پہ رہنے دیتے

میرے حالات بیاں کرتے ہیں از خود مجھ کو
مجھے کچھ اپنی زباں سے نہیں کہنے دیتے

تری یادوں کا کوئی ریلا چلا آیا تھا
اشک بن کر اسے آنکھوں سے نہ بہنے دیتے

لفظ بننے کا کوئی سلسلہ ہوتا بلراجؔ
کسی آواز کی دہلیز پہ رہنے دیتے

⊙⊙⊙

غزل

اس کا پتھر بھی آنے والا ہے
وہ بھی آخر زمانے والا ہے

جانے والا ہی پھر نہیں آتا
آنے والا تو جانے والا ہے

دیکھنے کے سوا نہیں چارہ
وقت جو بھی دکھانے والا ہے

واقعی خود کشی تھی ، ہم سمجھے
وہ تماشہ دکھانے والا ہے

کیا برا تھا جو پوچھ لیتا ہمیں
کہ وہ دنیا بنانے والا ہے

اب کے ہوگا نہ طے سفر بلراجؔ
فاصلہ آزمانے والا ہے

⊙⊙⊙

غزل

رہوں صف آرا کہ گفت و شنید ہوگی کچھ
سنا ہے اور بموں کی خرید ہو گی کچھ

بہا لیا ہے بہت خون ہم نے مل جل کر
اب اس کے بعد بھی ہولی یا عید ہوگی کچھ

دوا کے ساتھ دعا کی بھی کشمکش ہے اگر
خراب آج بھی حالت مزید ہوگی کچھ

مری سمجھ میں مری بات ہی نہیں آئی
گمان سے بھی زیادہ بعید ہوگی کچھ

اک ایسا دشت کہ جس میں ہے آگ چاروں طرف
یہاں پہ کس کو کسی سے امید ہو گی کچھ

خمیرِ عشق اٹھے گا لہو میں جب بلراجؔ
شراب عمدہ نشے کی کشید ہو گی کچھ

⊙⊙⊙

غزل

ایک حالت جو تذبذب کی بنی رہتی ہے
اپنے سائے سے بھی ہر وقت ٹھنی رہتی ہے

اب تو جو بولتا ہوں پہلے ہی لکھ لیتا ہوں
کوئی تلوار مرے سر پہ تنی رہتی ہے

مطمئن ہوں میں کسی زخمی پرندے کی طرح
جاگتے سوتے دل و جاں پہ بنی رہتی ہے

اس لیے جلتا بدن لے کے چلا آتا ہوں
تری پلکوں کے تلے چھاؤں گھنی رہتی ہے

انتظار اس کا خیال اس کا تمنا اس کی
جو خیالوں میں کہیں گلبدنی رہتی ہے

اب یقینی ہے نظریے کا تحفظ یارو
سر پہ تلوار تو گردن پہ انی رہتی ہے

بارہا چھوٹ گیا دامنِ شیریں بلراج
مری تقدیر میں بس تیشہ زنی رہتی ہے

⊙⊙⊙

نظم

راہِ بے مفر

لامکاں کون ہے ، بیکراں کون ہے
سلطنت کس کی ہے حکمراں کون ہے

خواب در خواب یہ زندگی کا سفر
جسم و مافیہا سب منتشر سر بہ سر
ظلِ ناقوس میں وقت ہے نوحہ گر
لفظ،جذبات،افعال سب طے شدہ
ایک ہی فلسفہ ، ایک ہی راستہ
لوح محفوظ اسلاف کا مرثیہ

حیطۂ فکر و ادراک محدود ہے
برفباری سے ہر راہ مسدود ہے

⊙⊙⊙

غزل

درد کچھ بڑھ گیا ہے سینے کا
صلہ ملنے لگا ہے جینے کا

چھت پہ جانا بھی نیچے آنا بھی
کام آساں نہیں ہے زینے کا

وقت کب کیا کسی سے کر جائے
کچھ بھروسا نہیں کمینے کا

کر لیا سات جنموں کا وعدہ
اور راشن نہیں مہینے کا

پانی چھت سے ٹپکتا رہتا ہے
گھر میں پانی نہیں ہے پینے کا

دوستی ہو کہ دشمنی بلراجؔ
کوئی رشتہ ملے قرینے کا

⊙⊙⊙

غزل

کہاں کہاں نہ گیا ان سنی دعا کی طرح
پھر اپنے در پہ چلا آیا التجا کی طرح

کسی نے مفت نہ بازار میں لیا مجھ کو
میں ختم ہو بھی گیا موسمِ وفا کی طرح

جب اپنے قتل کا مجرم قرار پایا گیا
مجھے وصول کیا سب نے خوں بہا کی طرح

سنا کسی نے تو بچ جائے گا وجود مرا
بکھر رہا ہوں میں صحراؤں میں صدا کی طرح

نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرانے لگتا ہوں
خیال ان کا گزرتا ہے جب صبا کی طرح

پتہ نہیں تھا یہ دن دیکھنا پڑے گا مجھے
کہ پیش آئے گا میرا خدا خدا کی طرح

ذرا سی دیر میں سب ڈھونڈنے لگے ہیں مجھے
جو پس رہا ہوں میں بلراؔج اب حنا کی طرح

⊙⊙⊙

غزل

حادثہ تھا نظر نہیں آیا
وہ کبھی لوٹ کر نہیں آیا

دھوپ تو کر رہی ہے اپنا کام
سایہ لے کر شجر نہیں آیا

وقت جیسے پڑوس کا بچہ
جھانکتا تھا مگر نہیں آیا

اس نے خلوت سے کر دیا انکار
میں سر رہگزر نہیں آیا

بھرے موسم میں دے گیا دھوکا
پھول آئے ثمر نہیں آیا

گھر کا اپنا ہے راستہ بلراج
کبھی رستے میں گھر نہیں آیا

⊙⊙⊙

غزل

گھر آنگن سب تیرا ہو
بس اک تُو ہی میرا ہو

پھر آوارہ گیت سنیں
پھر جوگی کا پھیرا ہو

اک وادی ہو نیندوں کی
اور خوابوں کا ڈیرا ہو

دھوپ کی بارش ہو لیکن
سایہ گھنا گھنیرا ہو

حیرت ، خوف ، خوشی بلراؔج
ناگن ، بین ، سپیرا ہو

⊙⊙⊙

غزل

درد کو دل کے حوالے رکھنا
اور پھر خود کو سنبھالے رکھنا

سائے بھی ساتھ چلے آتے ہیں
کتنا مشکل ہے اجالے رکھنا

شنکھ میں رکھ لیں اذانیں میں نے
تم نمازوں میں شوالے رکھنا

کبھی دروازے کو کھلا رکھ کر
گھر کی دہلیز پہ تالے رکھنا

غمِ جاناں ہی نبھانا مشکل
غمِ دوراں کو بھی پالے رکھنا

واقعی معجزہ ہے یہ بلراجؔ
اتنی گیندوں کو اچھالے رکھنا

⊙⊙⊙

غزل

کوئی طوفاں تو نہیں ہے جو گزر جاتا ہے
جب بھی آتا ہے برا وقت ٹھہر جاتا ہے

سُونے کمروں میں کبھی کوئی تو رہتا ہو گا
کچھ تو ہوتا ہے کہ ہر آدمی گھر جاتا ہے

اب اندھیرا مجھے تنہا نہیں رہنے دیتا
رات کو آتا ہے اور وقت سحر جاتا ہے

جو بھی ہوتا ہے شروع ایک حقیقت کی طرح
کسی افواہ کی مانند بکھر جاتا ہے

درد بھی ایک تسلسل ہے مرا ہی بلراجؔ
ڈوبتا ہے کبھی رہ رہ کے ابھر جاتا ہے

⊙⊙⊙

نظم

جبر

میں اپنے حصے کی ہر لڑائی تو لڑ چکا ہوں۔
مگر میں ایسی لڑائیاں آج لڑ رہا ہوں
کہ جو مسلط ہوئی ہیں مجھ پر،
کہ جو نہیں تھیں مری،
مگر مجھ پہ فرض کر دیں
معاشرے نے،
معاشرہ جو کہ آ چکا تھا وجود میں
میرے پیدا ہونے سے قبل،
جس سے فرار ممکن نہیں ہے میرا۔
روایتوں اور فلسفوں کے،
تمام دنیا کے مذہبوں کے، عبادتوں کے،
تقدسوں کی ہزاروں ایسی لڑائیاں
کب سے لڑ رہا ہوں۔
نبھا رہا ہوں لڑائیاں
میرے سر کے بالوں کے نام پر،

میری داڑھی مونچھوں کے،
موئے عانہ کے نام پر۔
میرے کھانے پینے کے،
پڑھنے، لکھنے کے نام پر بھی،
لباس پر، بے لباسی پر بھی،
کہ میری اس کی شبینہ عریانیوں کی خاطر بھی
لڑ رہا ہوں لڑائیاں بے نتیجہ۔
اب تک بہ حالتِ جنگ ہوں،
گزشتہ کی ساری نسلوں کے،
اور میرے ہی جانشینوں کے
مستقل اجتماعی جبر و ستم کا ہے سامنا،
تسلسل سے کر رہا ہوں مقابلہ،
تا کہ میرے افکار
صرف میرے لئے تو
محفوظ رہ سکیں کم سے کم۔

⊙⊙⊙

غزل

دراز ہوتا نہیں ہے دست سوال میرا
نہ جانے کیسے وہ جان پائے گا حال میرا

رفاقتوں میں تو فاصلے بھی ہیں قربتیں بھی
پتہ نہیں یہ کہ ہجر ہے یا وصال میرا

بچا بچا کر میں لمحے لمحے کو جوڑتا ہوں
اور آتے ہی خرچ ہونے لگتا ہے سال میرا

میں جس کے ماضی کی گمشدہ داستاں ہوں کوئی
قریب اسی کے نہ آئے جائے خیال میرا

وہ جس نے دشمن سمجھ کے دل میں بسا لیا ہے
کبھی تو بلراج مان لے گا کمال میرا

⊙⊙⊙

غزل

زباں میری، بیاں میرا نہیں ہے
مرے اندر کوئی گوشہ نشیں ہے

نہیں بدلے کبھی حالات میرے
وہی در ہے وہی میری جبیں ہے

کبھی تو ابر سمجھے فرض اپنا
وہیں برسے جہاں پیاسی زمیں ہے

کئی سرگوشیاں سی رینگتی ہیں
کہ جیسے تُو کہیں اب بھی یہیں ہے

وہاں بلراؔج سب اک صفحے پر ہیں
یہاں کوئی کہیں، کوئی کہیں ہے

⊙⊙⊙

غزل

وہ چپ رہا تو ہوا اس قدر ملال مجھے
کہ جاتے جاتے کئی دے گیا سوال مجھے

یہ سچ ہے آ نہ سکا میں کسی کے کام مگر
کہاں رہا کبھی اپنا بھی کچھ خیال مجھے

بسا ہوا ہوں میں پھولوں میں خوشبوؤں کی طرح
ہوا چلی تو بکھر جاؤں گا سنبھال مجھے

اسی کو میری خموشی قبول جرم لگی
کبھی نہ کرنے دیا جس نے عرضِ حال مجھے

کھلی زمین میں پھل پھول جاؤں گا اک دن
تُو اس یقیں پہ نہ گملے سے اب نکال مجھے

وہ میرا دوست ہے دشمن ہے کیا یقین کروں
میں پات پات ہوں، کرتا ہے ڈال ڈال مجھے

تو کیا ہوا جو زمانہ مجھے مٹانے لگا
بنا رہا ہے وہ سب کے لیے مثال مجھے

نہ جانے کس کے خیالوں میں آؤں گا بلراج
نہ جانے کون کبھی دے گا خدوخال مجھے

⊙⊙⊙

غزل

نہ دشت ہی کے لیے ہوں نہ گلستاں کے لیے
کوئی بتائے کہ آخر ہوں میں کہاں کے لیے

وہ ایک ابر کا ٹکڑا میں ایک بوند آنسو
کہاں کہاں کے لئے وہ ہے میں کہاں کے لیے

یہ کم نہیں ہے کہ جب بھی تمہاری بات چلی
مرا ہی ذکر ہوا زیب داستاں کے لیے

وہ میرے شوق کے آگے جو خم پذیر ہوا
پھر اس نے کچھ بھی نہ رکھا مرے گماں کے لیے

ترا سبق نہ کسی کام آ سکا بلراؔج
سوال اور ضروری تھے امتحاں کے لیے

⊙⊙⊙

غزل

تُو گرجتا ہے کہاں اور برستا ہے کہاں
کچھ خبر ہے ترا رستہ کوئی تکتا ہے کہاں

سالہا سال سے میں ڈھونڈ رہا ہوں تجھ کو
موسمِ گل تُو یہاں آ کے ٹھہرتا ہے کہاں

درس دیتا ہی رہا اچھے برے کا خود کو
مرے کہنے سے مگر کوئی سمجھتا ہے کہاں

زندگی میں ترے آخر پہ چلا آیا ہوں
اب یہاں میرے لیے دوسرا رستہ ہے کہاں

دلِ قاتل میں ہے بلراجؔ بڑی مدت سے
اس کی جرأت تو ذرا دیکھیے رہتا ہے کہاں

⊙⊙⊙

غزل

اس کی رنگت شراب جیسی ہے
اور خوشبو گلاب جیسی ہے

اک کہانی سی ہے بدن اس کا
جس کی صورت کتاب جیسی ہے

میں نے دیکھی ہے اک جھلک اس کی
ہو بہو ماہتاب جیسی ہے

اچھی لگنے لگی ہے دنیا بھی
دل خانہ خراب جیسی ہے

ٹوٹ جاتا ہے راہ میں بلراجؔ
زندگی وہم و خواب جیسی ہے

⊙⊙⊙

غزل

سوالی ہمیشہ سوالی رہے
جو خالی تھے خالی کے خالی رہے

سزا ان ارادوں کی بھی دی گئی
خیالی تھے جو اور خیالی رہے

بھرے ہی رہیں دھان گیہوں سے کھیت
پھلوں سے جھکی ڈالی ڈالی رہے

اگر دوستی پر بہت ناز تھا
تو اب دشمنی بھی مثالی رہے

ادا کر سکیں قرض بلراجؔ کا
نہ وارث رہے وہ نہ والی رہے

◉◉◉

نظم

ابدی آزادی کا لمحہ

میں کہاں تک تمہارے لیے ضابطے روز
ترتیب دیتا رہوں گا
اور تم بھی کہاں تک مرے سامنے
کاسۂ سر جھکائے ہوئے
سینکڑوں سال
امید کے غار میں جھونکتے جاؤ گے۔
مجھ سے پہلے بھی چرواہے آئے تمہیں ہانکنے کے لیے،
ذہن کی کھڑکیاں بند کر کے
اندھیروں میں تم کھو گئے۔
دیکھ لیتے اگر تم
تو تم سب پہ ہوتے حقائق سبھی منکشف۔

یوں ہوا پھر
تناور درختوں کے سائے میں تم بیج بوتے رہے،
کونپلیں آج بھی پھوٹتی ہیں

مگر وہ تناور درختوں کے سائے میں
پروان کب چڑھ سکی ہیں۔
کہ بارش کو، آندھی کو اور دھوپ کو جھیل کر ہی
جڑیں ان کی پاتال میں پھیل سکتی تھیں
اور ٹہنیاں آسماں چیر سکتی تھیں۔
دیکھو!
کہیں ایک بھی دیو قامت نہیں
اور بونے
زمیں دوز مدفن میں
بے روح خوشیاں مناتے ہیں۔
سوچو !
اگر اس طرح
تم مرے سامنے سر بہ زانو رہو گے
تو لاکھوں برس
پھر زمیں دوز ان مقبروں میں سڑو گے
جہاں جعلی دانشوروں کی سیہ بادشاہت ہے قائم۔

وہ خود ساختہ لوگ
اپنے جلو میں
صحیفوں کی بارات لے کر چلے۔
راستہ راستہ
ان کے قدموں کے ماتم میں شل ہو گیا۔
بستی بستی میں ان سے پنہ مانگتی

روشنی کی شعائیں
شفق رنگ مخرج کو واپس ہوئیں۔
چاندنی چاندنی،
آسماں پر ابھرتے سیہ زاد عفریت کے
لجلجے بازوؤں میں،
سسکتے ہوئے کسمسانے لگی۔
خوابگاہوں میں سرگوشیاں
وصل کے نیم جاں مرحلوں سے گزرتی ہوئیں
لذتوں کی مقدس امانت کو
تشکیک کی آہنی قید دے کر فنا ہو گئیں۔
سبز سر سبز زرخیز مٹی میں
خونریزیوں کی ہری فصل نے
تحفتہً
زندگی کو
لہو بخت موسم عطا کر کے
اک بیکراں درد کے

قہقہہ زار کی حیثیت بخش دی۔
وہ کئی لوگ تھے۔
دیکھو!
تمہاری جبینوں پہ پہلے ہی
تاریک قرنوں کے سجدے رقم ہیں
کہ صد رنگ رشتوں کی گل خیزیاں

لا زمیں وحشتوں کی پناہوں میں
دم توڑتی ہیں۔
زمیں کی سبھی عشرتیں ہیں کسی اور کی
یہ تمہاری نہیں ہیں
کہ اگلے جنم
یا کسی دوسری سلطنت میں
یہ سب کچھ تمہیں بھی فراہم کیا جائے گا،
یہ بشارت ہوئی تھی،
یہ وعدہ ہوا تھا،
یہاں کچھ نہیں، کچھ نہیں ہے تمہارے لیے
جز کہ
اس زندگی کی ہمہ گیریوں سے
تمہارا مقدر نجات۔

وہ کئی لوگ تھے۔

بے جہت آہٹوں کے صداکار،
الفاظ کے شعبدہ گر،
کسی ان کہی، ان سنی سلطنت کی غضبناکیوں کا
عجب واقعاتی بیاں،
چشم دیدہ گواہی۔
کہا:
اب کہ افہام و تفہیم کے

ارتقا کی ضرورت نہیں،
(زندگی کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے)
کہا:
فکر کی رزم گاہوں میں
کب معجزے اور حوادث کبھی سرخرو ہو سکیں گے۔
کہا:
جب زمیں حادثہ،
آسماں حادثہ ،
یہ جہاں حادثہ ،
زندگی حادثہ ہے تو
منطق کے ان لق و دق انکشافاتی صحراؤں کے

ایسے اندھے سفر سے ہے کیا فائدہ
جن میں حد نظر تک
کہیں بھی جوابوں کی چھاؤں نہیں،

کوئی بستی نہیں کوئی گاؤں نہیں ہے۔
کہا:
سرسراتی ہوئی روشنی کی نظر کاریاں
اجنبی لمس کے بھیس میں
زندگی کی قبا پر اگر سج گئیں،
فکر کے سانپ ذہنوں کو ڈس جائیں گے۔

آج میں
وقت کے شہ نشیں سے
بصد عظمت وشان اعلان کرتا ہوں:
میری قلمرو میں تم آج سے
فکر کی ساری پابندیوں سے بلا شرط آزاد ہو

اور گزشتہ کے
سب ضابطوں، عہد، وعدوں
کی تنسیخ ہی میں
مرے حکمنامے کی تعمیل وتوثیق ہے۔

⊙⊙⊙

غزل

یقیں ہی اب یقینوں میں نہیں ہے
کوئی سجدہ جبینوں میں نہیں ہے

جو لمحہ فیصلے کا ڈھونڈتا ہوں
دنوں ، ہفتوں ، مہینوں میں نہیں ہے

جنوں میں پاؤں ہی آئیں تو آئیں
تحرک کوئی زینوں میں نہیں ہے

نظر ہے، ہوش ہے، دل بھی ہے لیکن
کوئی بھی ربط تینوں میں نہیں ہے

جسے افسوس بھی ہو اور خوشی بھی
وہی گھر کے مکینوں میں نہیں ہے

ہمارے لمس کی کاریگری تھی
نزاکت آبگینوں میں نہیں ہے

حیا پرور ادائیں قاتلانہ
وفا لیکن حسینوں میں نہیں ہے

اگر بلراج خوشبو بن کے جائیں
کوئی سرحد زمینوں میں نہیں ہے

⊙⊙⊙

غزل

کبھی اپنے کبھی اغیار نظر آتے ہیں
سائے بھی کتنے پر اسرار نظر آتے ہیں

اک نئے شہر کا نقشہ نہ بنا ڈالا ہو
پھر اجڑتے ہوئے گھر بار نظر آتے ہیں

جان لیتے رہے دیتے بھی رہے جن کے لئے
آج وہ نظریے بے کار نظر آتے ہیں

معجزہ یہ بھی سیاست کا کوئی کم تو نہیں
دو نہیں ہوتے مگر چار نظر آتے ہیں

وقت نے چہرے پہ وہ نقش گری کی بلراج
آج ہم بھی کوئی شہکار نظر آتے ہیں

⊙⊙⊙

غزل

مرے قریب رہا وہ کہ مجھ سے دور رہا
کوئی نہ کوئی تعلق مگر ضرور رہا

وہ عادتاً بھی ستم گر ہے کچھ ہمیشہ سے
کچھ اس میں میری وفاؤں کا بھی قصور رہا

کوئی نہ چھین لے پھر مجھ سے میرے ہوش وحواس
اسی لئے میں ہمیشہ نشے میں چور رہا

مرے خلاف گواہوں میں پیش پیش ہے جو
تمام عمر اسی پر مجھے غرور رہا

وہی مٹائے گا نام و نشاں مرا بلراجؔ
مرے وجود پہ جس کو بہت عبور رہا

⊙⊙⊙

غزل

جسم وجاں، فکر و انا، کچھ تو بچا ہے میرا
حادثہ کوئی پتہ پوچھ رہا ہے میرا

اس طرح بند ہوئے مجھ پہ سبھی دروازے
اب تو لگتا نہیں دروازہ کھلا ہے میرا

اپنے ہی نام پہ وہ کر گیا تقسیم ہمیں
کبھی سوچا نہ تھا ایسا بھی خدا ہے میرا

آنے والے ہیں نئے سال میں ایسے بھی عذاب
کوئی بھی ان میں سے دیکھا نہ سنا ہے میرا

جب سے تنہائی کی توسیع ہوا ہوں بلراجؔ
اس سے بڑھ کر نہ بھلا ہے نہ برا ہے میرا

⊙⊙⊙

غزل

آج کل کچھ بھی سلیقے سے نہیں ہوتا ہے
دل کہیں اور دماغ اور کہیں ہوتا ہے

میں بھی شاید نظر آ جاؤں تری محفل میں
جو کہیں بھی نہیں ہوتا وہ یہیں ہوتا ہے

اب وہ پہلے سے مراسم تو نہیں ہیں لیکن
جہاں جاتا ہوں میں اکثر وہ وہیں ہوتا ہے

رکھا جاتا ہے قرینے سے ہر اک رشتے کو
اب کہاں کوئی کسی دل کا مکیں ہوتا ہے

مرا خود پہ تو بھروسہ ہی نہیں ہے بلراؔج
وہی دیتا ہے دغا جس پہ یقیں ہوتا ہے

⊙⊙⊙

غزل

مقدر تھا ستاروں کے حوالے
ہوئے ہم بھی سہاروں کے حوالے

ہمارا جو بھی ہو گا دیکھ لیں گے
کِیا تم کو بہاروں کے حوالے

بیاں ہوتا نہیں الفاظ میں جو
اشاروں، استعاروں کے حوالے

ہماری آبلہ پائی کا صدقہ
جو ہم ہیں خارزاروں کے حوالے

ابھی معلوم ہو گا ظرف ان کا
چلو ہو جائیں یاروں کے حوالے

سمندر کاٹتا رہتا ہے ان کو
ہوا تھا جن کناروں کے حوالے

فریبوں میں رہا بلراؔج لیکن
یقینوں ، اعتباروں کے حوالے

⊙⊙⊙

غزل

دنیا کا یہ دستور گوارہ نہیں ہوتا
ہم جس کے ہوئے وہ بھی ہمارا نہیں ہوتا

لے آئے ہیں کچھ لوگ ہر اک درد کا درماں
ہم درد وہ لائے ہیں کہ چارہ نہیں ہوتا

بارود کے موسم نے کھلائے ہیں نئے گل
سنتے ہیں کہ اب ڈل میں شِکارا نہیں ہوتا

آ کر جہاں ڈوبے ہی نہ امید کی کشتی
ایسا تو کہیں کوئی کنارا نہیں ہوتا

مرنے کی تو پہلے سے اجازت ہی نہیں ہے
جینے کا بھی اب کوئی اشارہ نہیں ہوتا

ہر ڈوبنے والا یہ سمجھ لیتا ہے آخر
تنکے کا سہارا بھی سہارا نہیں ہوتا

بلراؔج دل و جان کو وسعت کی طلب ہے
اب جسم کی سرحد میں گزارہ نہیں ہوتا

⊙⊙⊙

نظم

انکشاف

وہ بے نیازی سے
بال بکھرائے، بانہہ پھیلائے
آگ برسائے جا رہی ہے۔
وہ سات رنگوں کی چاندنی کا
لباس پہنے نہا رہی ہے۔
تمام موسم کہ اس کے سب
زاویوں، تکونوں سے
دائروں سے شرارتیں کر کے
قطرہ قطرہ ٹپک رہے ہیں۔
اساڑھ کی تیز پیاس،
ساون کے ہجر جیسی ،
پھاگن کے وصل جیسی،
وہ ماگھ کے اطمینان جیسی
کہ زندگی سے بھری ہوئی ہے۔
ندی کی چھوٹی سی آبشار

آزمائشوں سے گزر رہی ہے۔
وہ شوخ رفتار، تیز وطرار، ہنستا پانی
سپید وسرخ اس کے جسم کی
وادیوں، پہاڑوں میں،
گھاٹیوں میں
نہ جانے کن تجربوں کی خواہش میں،
جانے کن مرحلوں کو طے کر کے
کون سی منزلوں کی جانب
سفر میں ہے۔

اس کی لانبی بانہوں کی
ایسی بے ساختہ سی انگڑائیاں
کہ جیسے تمام عالم سمیٹ ہی لینا
چاہتی ہوں۔
نشیب اس کے، فراز اس کے،
وہ جسم پر رینگتے ہوئے اس کے ہاتھ
جن کی ہر ایک جنبش سے پیدا ہوتی ہے
سنسناہٹ،
عجیب لذت فروز لرزش ہے
میرے دل اور جسم و جاں میں۔
بدن کو سہلا رہی ہے ایسے
گزشتہ راتوں کی وحشتوں کے
سراغ جیسے مٹا رہی ہو،

ملن کی شب کے نشان سارے
چھپا رہی ہو ،
یا خواب رنگیں سجا رہی ہو۔

میں ایک پتھر کی اوٹ سے
جھانک کر یہ منظر چرا رہا ہوں
کہ خواہشوں کے نئے جزیرے
سمندروں میں بنا رہا ہوں۔

میں چاہتا ہوں کہ
اس کے بھرپور جسم کے لمس اور پسینوں کی
خوشبوؤں کا غلام بن کر
میں اس سے خیرات میں
اسی کا ہی جسم مانگوں
تو لذتوں کے وہ معرکے سر کروں
کہ جن کا وجود مجھ پر ابھی کھلا ہے،
میں جن سے نا آشنا تھا اب تک۔

⊙⊙⊙

غزل

کبھی ہنساتے رہے اور کبھی رلاتے رہے
ہمارے دوست ہمیں یوں بھی آزماتے رہے

میں جھیلتا ہی رہا جن کو درد کی صورت
وہ ایک فرض سمجھ کر مجھے نبھاتے رہے

جو لوٹ آئے نہ دیکھا انہوں نے مڑ کر بھی
جو ڈوبے ہاتھ وہی دیر تک ہلاتے رہے

انہیں کبھی نہ ہوا فاصلوں کا اندازہ
ہر ایک سمت مخالف سے وہ بلاتے رہے

تمام عمر یہی مسئلہ رہا درپیش
وہ یاد آتے رہے اور ہم بھلاتے رہے

کہاں کی قید، کہاں کی ہوئی نظر بندی
ہزار وسوسے ہر وقت آتے جاتے رہے

اسی لئے تو اندھیرے خفا رہے ہم سے
کہ روشنی کے لئے دل بھی ہم جلاتے رہے

بدل کے شکل ہر اک لمحہ، ہر گھڑی بلراج
ہمارے سائے ہمیں ہی عبث ڈراتے رہے

⊙⊙⊙

غزل

کہاں سے منظر سمیٹ لائے کہاں سے منظر ادھار مانگے
روایتوں کو نہ موت آئے تو زندگی انتشار مانگے

سفر کی یہ کیسی وسعتیں ہیں نہ راستہ ہے نہ کوئی منزل
تھکن کا احساس بھی نہ اترے، قدم قدم رہگزار مانگے

تلاش کے باوجود سچ ہے کہ میرے حصے میں کچھ نہ آیا
کہ میں نے خوشیاں ہزار ڈھونڈیں کہ درد میں نے ہزار مانگے

اگر وہ دینا ہی چاہتا ہے تو منزلوں کا سراغ دے دے
اگر اسے مانگنا ہی ٹھہرے تو راستوں کا غبار مانگے

ی عدالت، نئے ہیں منصف، نئی سزائیں بھی آ گئی ہیں
نہ کوئی بلراج اپنی مرضی سے جینے کا اختیار مانگے

⊙⊙⊙

غزل

فیصلہ ہے کہ ترے دل میں ٹھہرنا ہے مجھے
اور اک درد کے عالم سے گزرنا ہے مجھے

ایک طوفاں سے ہے مجھ کو بھی پرانی رنجش
یہ اگر وہ ہے تو پانی میں اترنا ہے مجھے

مرا کمرہ، مری راتیں، مری نیندیں ہیں مگر
میرے ہی خواب ڈراتے ہیں تو ڈرنا ہے مجھے

ان کی نظروں میں اگر رہنا ہے پھولوں کی طرح
روز خوشبوؤں کی مانند بکھرنا ہے مجھے

رات کیا جانے ابھی کام ہے کتنا باقی
شام کو ڈوبنا ہے صبح ابھرنا ہے مجھے

وقت نے شرط نئی کر دی ضروری بلراجؔ
روز جینے کے لیے روز ہی مرنا ہے مجھے

⊙⊙⊙

غزل

جسے منظور ہیں ساری سزائیں
اسے ہی وہ ہمیشہ آزمائیں

کوئی سنتا اگر میری صدائیں
پلٹ کر یوں نہ آجاتیں دعائیں

نہیں ہوتا سبھی کے سر پہ سایہ
زمیں پر چھاؤں ہی اپنی بچھائیں

اندھیرے میں دیا روشن نہ کرتا
کوئی بے سمت ہی دیتا صدائیں

سمجھ میں آ رہی ہے اب یہ دنیا
کہ راس آنے لگیں اپنی خطائیں

مری تنہائی ہے بلراؔج ایسی
صدائیں بھی جہاں آئیں نہ جائیں

⊙⊙⊙

غزل

کبھی یہ معجزہ بھی ہو کبھی تو یہ کمال کر
کبھی تو اپنے آپ میں مرا یقیں بحال کر

جو آنکھ سے چھلک گئیں وہ چاہتیں سمیٹ لوں
مرے قریب آ ذرا نظر نظر میں ڈال کر

یہ دھوپ کا سفر کٹے گا کیسے سوچ لے
کسی کو رکھ نگاہ میں کسی کا کچھ خیال کر

خزاں کی پہلی آہٹوں پہ خود ہی گن کے سونپنا
امانتیں بہار کی ابھی تو رکھ سنبھال کر

⊙⊙⊙

غزل

نہ جانے کون تھا اور کیا وہ کرنے والا تھا
مرے قریب سے چھپ کر گزرنے والا تھا

کسی نے کھینچ لی سیڑھی تو گر کے ٹوٹ گیا
میں سخت جان کہاں ایسے مرنے والا تھا

تمام شہر میں اعلان کر دیا تم نے
میں قرض لے کے بھلا کب مکرنے والا تھا

نہ جانے کیسے وہی شخص ڈر گیا مجھ سے
کہ جس کو دیکھ کے میں خود ہی ڈرنے والا تھا

مری نظر ہی نہ بلراج لگ گئی ہو اسے
وہ چاند جو میری چھت پر اترنے والا تھا

⊙⊙⊙

نظم

قرض

اٹھو میرے اجداد کے قرضخواہو
مجھے اپنے کھاتے دکھاؤ
ہراک لمحۂ جاں،
خیاباں، گلستاں،
ہراک سانس کا امتحاں
اور
ہراک نقرئی یا طلائی ہنسی
یا قراضہ کوئی
یا کوئی اشرفی،
وہ کہ جزیہ تھا،
محصول تھا یا خراج
اور جو کچھ بھی، جتنا بھی
تم نے زبردستی یا بارضا
ان کو قرضہ سمجھ کر دیا،
مجھ کو ترکے میں جو بھی ملا

سب کا سب میری نظروں میں ہے
واپسی سب کی لازم ہے واجب ہے
مجھ پر
کہ تم مطمئین ہو رہو
میں اگر اپنے اجداد کا جانشیں ہوں،
اگر ان کا ورثہ مرا ہے،
اگر ان کی املاک میری ہیں،
میں ہی اگر ان کا وارث ہوں
اور نام لیوا ہوں
تو اپنی ہستی کو میں
ان فرائض سے
کیسے سبکدوش و مستثنےٰ سمجھوں
کہ جو میرے اجداد پر قرض تھے۔

میں کہ تم سب کا مجرم، گنہگار
اپنی سزا چاہتا ہوں۔

⊙⊙⊙

غزل

آتے آتے چھپا گیا سائے
اور اندھیرا نہ جانے کیا لائے

چھن کے اشکوں سے جب نظر نکلی
رنگ قوس قزح کے لہرائے

ان کے کہنے سے رُت بدلتی ہے
کوئی موسم کو جا کے سمجھائے

کچھ لگاوٹ تھی کچھ شکایت بھی
ان دنوں اُن دنوں کی یاد آئے

جس کا کوئی نہ ہو اگر بلراؔج
وہ کہاں آئے اور کہاں جائے

⦿⦿⦿

غزل

جانے کہاں سے آیا تھا جانے کدھر گیا
اپنی ہی زد پہ کوئی اچانک بکھر گیا

میں تک رہا تھا اس کو اندھیروں کی اوٹ سے
وہ روشنی کی آڑ میں بچ کر گزر گیا

جیسے کسی صدا کا ہے سایہ سا ذہن پر
ہلکی سی بازگشت ہوئی اور میں ڈر گیا

بارش نہ برف، دل ہی جب پتھر بنا لئے
بلراج پھر امید کا دریا اتر گیا

⊙⊙⊙

غزل

یہ اجنبی خواہشیں یہ سب میرے خواب بدنام کیوں نہ ہوتے
میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں تو مجھ پہ الزام کیوں نہ ہوتے

طویل شب کے سفر میں ان سے ہزار باتیں سنی ہیں کی ہیں
بھلاتے کیوں میری آہٹیں منتظر در و بام کیوں نہ ہوتے

یہ غیر ممکن تھا میرے گھر ہی میں مجھ پہ پابندیاں لگانا
تری گزارش یا حاکمِ شہر کے بھی احکام کیوں نہ ہوتے

مرے ہی پاؤں سے دل کی اندھی مسافتوں کو مناسبت تھی
مرے تعاقب میں واپسی کے تمہارے پیغام کیوں نہ ہوتے

انہیں اسی خود سپردگی نے دو ایک پل زندگی عطا کی
وہ روشنی کے غلام سائے تھے وہ سیہ فام کیوں نہ ہوتے

دھواں دھواں ذہن و دل میں بلراؔج، کوئی منظر، نہ کوئی منزل
نظر کی حد بندیاں اگر ہیں دلوں میں کہرام کیوں نہ ہوتے

⊙⊙⊙

غزل

چہرے سے نگاہوں کو ہٹانے نہیں دیتا
جادو ہے کہ جو ہوش میں آنے نہیں دیتا

اس طرح بھی دیتا ہے سزا مجھ کو ستم گر
ناراض اگر ہو تو منانے نہیں دیتا

انکار بھی اس کو مری نسبت سے نہیں ہے
رشتہ بھی مگر کوئی نبھانے نہیں دیتا

سائے کو ہٹا دیتا ہے دیوار گرا کر
اور دھوپ میں بستر بھی بچھانے نہیں دیتا

دیتا ہے مجھے نیند بھی قسطوں میں ہمیشہ
اور خواب اگر دے تو سہانے نہیں دیتا

آتا ہی نہیں ہے وہ کہیں سے بھی مرے پاس
اور مجھ کو کسی سمت بھی جانے نہیں دیتا

بلراجؔ مجھے کچھ بھی سناتا نہیں کوئی
اپنی بھی مگر کوئی سنانے نہیں دیتا

⊙⊙⊙

غزل

مری نظر کو مہکتے گلاب کیا دو گے
کہ نیند دے نہ سکے تم تو خواب کیا دو گے

میں خود دکھاؤں گا دکھتی رگیں کہاں ہیں مری
جو تم بتاؤ کہ اب کے عذاب کیا دو گے

تمہارے پاس تو آجاؤں جی کڑا کر کے
سوا تپش کے تم اے آفتاب کیا دو گے

شمار لمحوں کا تفصیل بیتی گھڑیوں کی
غروبِ شام تمنا حساب کیا دو گے

یہ خامشی بھی عجیب امتحان ہے بلراجؔ
سوال ہی نہیں کوئی جواب کیا دو گے

⊙⊙⊙

غزل

وہ سب کو دھوپ دھوپ سناتا ہوا ملے
کوئی درخت چھاؤں لٹاتا ہوا ملے

جیسے مری شکست میں اس کا بھی ہاتھ ہے
جب بھی ملے وہ آنکھ چراتا ہوا ملے

لازم ہمھیں پہ کیوں ہیں دوستی کے دو قدم
کوئی ادھر بھی اک قدم آتا ہوا ملے

اس کو کسی کا خوف نہیں ہے تو کم سے کم
اپنی نظر سے چھپتا چھپاتا ہوا ملے

کب سے ہوں پُر فریب حقیقت کا منتظر
کوئی تو سبز باغ دکھاتا ہوا ملے

رونے رلانے والے ہی ملتے رہے ہمیں
بلراج کوئی ہنستا ہنساتا ہوا ملے

⊙⊙⊙

نظم

مجبوری

براہ راست جو اترے تھے آسماں سے حروف
جواز بن نہ سکے ترجمان بن نہ سکے

قنوطیت کا ہوں قائل نہ میں رجائی ہوں
پیام بر ہوں نہ مجھ پر ہوا ہے کوئی نزول
خود اپنی ذات سے پھینکا گیا تھا میں باہر
زمین پر ہوں زمیں سے تعلقات نہیں
بھٹک رہا ہوں میں بے رشتگی کے صحرا میں
یہ اعتزال ہے بس میرے کرب کا مخرج
یہ بازیافت ہے میری اذیتوں کا سبب
اس احتجاج پہ مجھ کو کیا گیا مصلوب

مجھے بھی کوئی مقدس کتاب دے جاؤ
یہ آگہی کا مسلسل عذاب لے جاؤ

⊙⊙⊙

غزل

مرے اجداد کا قصہ ہی دہرایا نہیں جاتا
کبھی تاریخ کا وہ دور دکھلایا نہیں جاتا

میں اپنے حال کو مجرم نہیں ٹھہراؤں گا جب تک
مرے ماضی کو میرے سامنے لایا نہیں جاتا

بڑھاتے جا رہے ہیں فاصلہ دونوں ہی مل جل کر
ہمیں جایا نہیں جاتا انہیں آیا نہیں جاتا

کسی بھٹکے مسافر کو بھی تب مہمان کہتے تھے
مگر اب دوست کو بھی گھر میں ٹھہرایا نہیں جاتا

فسادوں میں اجڑنے والے کب آباد ہوتے ہیں
دلوں کو جوڑنے کا پُل ہی بنوایا نہیں جاتا

حکومت جس کو چاہے اس طرح بدنام کرتی ہے
زباں پر صدیوں اس کا نام بھی لایا نہیں جاتا

یہ کیسی جنگ جاری ہے کہ دونوں سمت ماتم ہے
کسی کی جیت کا پرچم بھی لہرایا نہیں جاتا

حدوں کو پار کر کے ہم وہاں تک بھی گئے بلراج
جہاں پر روشنی کے بن کبھی سایا نہیں جاتا

⊙⊙⊙

غزل

اس طرح زندگی گزار آئے
اب کسی پر نہ اعتبار آئے

اپنی آواز لوٹ آئی ہے
ہم گلی میں کسے پکار آئے

ایک چہرہ ہی آج لائے ہو
ایک چہرہ کہاں اتار آئے

سنگدل ہو گئی زمیں ایسی
دھول اٹھے نہ اب غبار آئے

ہم کہ موسم کی دسترس میں نہیں
اب خزاں آئے یا بہار آئے

داستاں اپنی جب سنی بلراؔج
اشک آنکھوں میں بار بار آئے

⊙⊙⊙

غزل

لاکھ سمجھائے کوئی سمت ونشاں منزل کے
آئے دن لٹتے ہی رہتے ہیں مسافر دل کے

دور صحرا میں نکلتی ہے رہ شوق وجنوں
ہم کہاں سیکھتے آداب تری محفل کے

پاس جب تھا تو مہ وسال تھے آسان بہت
وہ گیا ہے تو شب وروز ہوئے مشکل کے

وہ جو موجوں کے حوالے تھے سبھی تیر گئے
وہی ڈوبے کہ جو نزدیک رہے ساحل کے

آج کل ہر کوئی بلراج ہے مبہم مبہم
جیسے آوارہ ہوئے خواب کسی غافل کے

⊙⊙⊙

غزل

توڑنے کی جو اس نے ٹھانی ہے
جو بھی اقرار ہے زبانی ہے

ایک وہ ہی نظر نہیں آتا
ہر طرف جس کی حکمرانی ہے

غم کا موسم اداس سا موسم
جیسے خوشیوں کی رت سہانی ہے

آج کل خواب بھی نہیں آتے
نیند سے دشمنی پرانی ہے

جیسے صحراؤں میں ہے ٹھہراؤ
ویسے دریاؤں میں روانی ہے

دل میں مہماں کے گھر بناتے ہیں
اپنا انداز میزبانی ہے

ہونٹ بھر مسکراہٹوں کے لیے
میں نے در در کی خاک چھانی ہے

دائرے میں بندھی ٹکی ہر شے
اور دیکھو تو بیکرانی ہے

فائدہ گفتگو سے کیا ہو گا
تم نے کب میری بات مانی ہے

وقت چاہے طویل ہو کتنا
مختصر مختصر کہانی ہے

زندگی کا ہے کو ہوئی بلراج
اک تسلسل میں نوحہ خوانی ہے

⊙⊙⊙

غزل

وہ دن کھو گئے وہ زمانے گئے
نئے لوگ آئے پرانے گئے

بچھڑنے کا جب فیصلہ ہو گیا
تو ملنے کے سارے بہانے گئے

نئی بستی کا نقشہ بننے لگا
پرندوں کے پھر آشیانے گئے

بہت دیر دیکھا کیے ہم انہیں
بہت دور ان کو منانے گئے

غنیمت ہے بلراج سر بچ گیا
مگر بوجھ سے میرے شانے گئے

⊙⊙⊙

غزل

گھنے درخت کا سایہ ہٹا گیا کوئی
ہوا کے بھیس میں پتے گرا گیا کوئی

نکل گیا ہے مری دسترس سے یوں باہر
کہ مثلِ خاک مری یاد اڑا گیا کوئی

صدا سنی نہ کسی نے خوش آمدید کہا
کواڑ بند رہے اور چلا گیا کوئی

چراغ راہ بنا ہی گیا زمانہ مجھے
جلا گیا کبھی کوئی، بجھا گیا کوئی

اسی کا عکس نظر میں رہا دمِ آخر
کہ رسمِ پرسشِ غم یوں نبھا گیا کوئی

میں اپنے آپ سے تنہا نہ مل سکا بلراجؔ
ہمیشہ وقتِ ملاقات آ گیا کوئی

⊙⊙⊙

غزل

رقیب ہو گیا میرا ہی پیرہن آخر
نہ آشکار ہوا مجھ پہ وہ بدن آخر

حوالے زیست کے تعمیر اپنی مت کرنا
یہ بت تراش ہے پہلے تو بت شکن آخر

یہ کارزار حیات آزمائے گا اک دن
عطا کرے گی بیاباں یہ انجمن آخر

الاؤ جل گیا نوحہ گروں کا جشن ہوا
اس اہتمام سے رخصت ہوئی تھکن آخر

اسیر زور نمو اس طرح رہا بلراجؔ
ہوا نظام فلک سے جلاوطن آخر

⊙⊙⊙

نظم

سفر

ابھی ہیں پاؤں میں لکھی مسافتیں کتنی
ندامتیں ابھی کتنی ہیں راحتیں کتنی
ابھی گرفت میں آئی ہیں وسعتیں کتنی
ابھی تو وقت میں پنہاں ہیں وحشتیں کتنی
نشیب کتنے ہیں کتنے فراز باقی ہیں
ابھی تو وقت کے سینے میں راز باقی ہیں
ابھی تو ایک ہی ذرے میں ہم اتر نہ سکے
ابھی تو موت کی سرحد سے بھی گزر نہ سکے

قدم اٹھاؤ کہ یہ رقص ناتمام چلے
مناؤ جشن زمینیں ہیں مہربان ابھی
صدائیں دے کے بلاتے ہیں آسمان ابھی

کہاں رکیں گے کہ ہستی میں بے حدودی ہے
سفر سفر ہے کہ افقی ہے یا عمودی ہے

⊙⊙⊙

غزل

مرے ہاتھوں کی لکیروں سے نکل کر آئے
وہ اگر میرا مقدر ہے تو چل کر آئے

اُسے شکوہ ہے، شکایت یا محبت مجھ سے
مری غزلوں، مرے اشعار میں ڈھل کر آئے

وصل کا لطف ذرا اور بڑھانے کے لیے
ہجر کی آگ میں جلنا ہے تو جل کر آئے

خارزاروں میں مروت کا چلن ہے اب بھی
آبلہ پا جو نہیں ہے وہ سنبھل کر آئے

اب تو پہچان لیا میں نے زمانہ سارا
جسے آنا ہے وہ صورت تو بدل کر آئے

ایک تنکے کا سہارا بھی نہیں ہے بلراجؔ
اب کے طوفان جو آئے تو مچل کر آئے

⊙⊙⊙

غزل

ان سے ملنے یا نہ ملنے کا سبب کچھ بھی نہیں
وہ زمانہ کہ بہت کچھ تھا پر اب کچھ بھی نہیں

ان دنوں دل کے دھڑکنے میں نشہ ہوتا تھا
یہ مگر اب بھی دھڑکتا ہے کہ جب کچھ بھی نہیں

دوستی سے بھی زیادہ تھا تعلق جس سے
آج دشمن ہے وہ میرا تو عجب کچھ بھی نہیں

اب کے کیا جانیے کس رنگ میں آئے گی بہار
ذکر مے، ذکرِ گل و عارض ولب کچھ بھی نہیں

جانے کیوں مجھ سے مرے دوست خفا رہتے ہیں
جب کہ اب کوئی شکایت یا طلب کچھ بھی نہیں

ہم نے پہچان بنا رکھا ہے جس کو بلراج
بھیڑ ہے جس کا پتا، نام ونسب کچھ بھی نہیں

⊙⊙⊙

غزل

ماضی و حال کے ہر غم سے سبکدوش رہوں
ہوش میں آنے سے بہتر ہے کہ بے ہوش رہوں

کیوں نہ مل جل کے نبھاتے رہیں غم کا رشتہ
تم ستم کیش ہو تو میں بھی ستم کوش رہوں

جان کر بھی نہیں پہچانتے ہیں لوگ اگر
یہی اچھا ہے کہ میں خود سے بھی روپوش رہوں

میں بھی کہہ سکتا ہوں بلراجؔ فسانہ اپنا
پاسداری ہے روایت کی جو خاموش رہوں

⊙⊙⊙

غزل

کچھ اس طرح مرے دن رات ڈھلتے رہتے ہیں
کہ امتحان کے لمحات ٹلتے رہتے ہیں

محبتوں کی ہری فصل کس طرح ہو گی
جہاں مزاج کے موسم بدلتے رہتے ہیں

جو دوست ہی نہیں میرے، کبھی ملے بھی نہیں
مرے خلاف وہی زہر اگلتے رہتے ہیں

نظر میں اپنی ہوں ثابت یہی غنیمت ہے
نگاہ غیر میں گرتے سنبھلتے رہتے ہیں

مرے پڑوسی، مرے رشتہ دار اور میں خود
ہمیشہ جلتے ہی رہتے ہیں جلتے رہتے ہیں

نہ کام آئے گی بلراجؔ روشنی ان کی
یہ معبدوں کے دیے یوں ہی جلتے رہتے ہیں

⊙⊙⊙

غزل

آؤ کہ ملیں ایسے، اس طرح لپٹ جائیں
بادل کی طرح برسیں قطرے میں سمٹ جائیں

دنیا سے تعلق میں کچھ فاصلے رکھ لینا
پہچان نہ کھو جائے رشتوں میں نہ بٹ جائیں

حصے میں جو آئے ہیں دن چار ہی کافی ہیں
دو چاہ میں کاٹے ہیں، دو آہ میں کٹ جائیں

کس سمت میں کیا جانے اٹھتے ہیں قدم ان کے
پاس آئیں نہ وہ اتنا ہم جتنا نکٹ جائیں

اس سے ہے زیادہ کیا بلراؔج طلب اپنی
یہ وقت ہی رک جائے یہ دن نہ پلٹ جائیں

⊙⊙⊙

غزل

ہو گئی ان سے جو ہونی تھی ملاقات کبھی
اب کہاں آ کے کریں گے وہ کرامات کبھی

باندھ دیتے ہیں بہانے سے مرے ہاتھوں کو
پا بہ زنجیر نہ کر پائے جو حالات کبھی

سانس لیتے ہی رہے دل میں کئی اندیشے
ختم ہونے نہ دیئے تم نے سوالات کبھی

زندگی کٹ ہی گئی خانہ بدوشوں کی طرح
آندھیاں، بجلیاں اور دھوپ یا برسات کبھی

اور پھر ترکِ تعلق کی خوشی میں وہ شخص
ایسے تقسیم ہوا جیسے ہو خیرات کبھی

دل کی دھڑکن ہی بتا دیتی ہے ہر راز مرا
اب تو ہوتی نہیں خود سے بھی مری بات کبھی

وہی رکھتا ہے خیال اس کا ہمیشہ بلراجؔ
ملتے جلتے نہ نظر آئیں خیالات کبھی

⊙⊙⊙

غزل

میں بھی تنہا ہوں مرے ساتھ بھی تنہائی ہے
آپ نے جب سے نہ ملنے کی قسم کھائی ہے

بے وفائی کا ہے الزام اگر کچھ نہ کہا
اور جو پوچھ لیا حال تو رسوائی ہے

جب سے معلوم ہوا میرا یہاں کوئی نہیں
ایسا لگتا ہے زمانے سے شناسائی ہے

ایک مجھ کو ہی نظر آیا نہیں یہ منظر
ورنہ دنیا مرے مٹنے کی تماشائی ہے

کچھ طبعیت میں بہت صبر ملا ہے بلراؔج
میں نے تقدیر سے تقدیر یہی پائی ہے

⊙⊙⊙

غزل

نظروں میں کچھ نہیں ہے نشانوں میں کچھ نہیں
سب تیر چل چکے ہیں کمانوں میں کچھ نہیں

اپنی ہی شکل کرچیوں میں قید ہو گئی
ورنہ دلوں کے آئینہ خانوں میں کچھ نہیں

برسوں ہمیں تھے جنس کی صورت سجے ہوئے
اب بِک گئے جو ہم تو دکانوں میں کچھ نہیں

آنکھوں سے دل کی بات بیاں ہونی چاہیے
لفظوں میں، بولیوں میں زبانوں میں کچھ نہیں

ناکام خواہشوں کے ہیں قصے کہانیاں
بلراج درد و غم کے خزانوں میں کچھ نہیں

⊙⊙⊙

غزل

دشمنی ہے تو سلیقے سے نبھا کر دیکھو
دل بھی مل جائیں گے تم ہاتھ ملا کر دیکھو

سب بدل جائے گا، تصویر بھی اور منظر بھی
میں اگر حرف غلط ہوں تو مٹا کر دیکھو

دیکھتے دیکھتے ہر سمت بکھر جاؤں گا
مجھے افواہ کی مانند اڑا کر دیکھو

راگ اور راگنیاں اتریں گی ہر صبح و شام
اپنے آنگن میں کوئی پیڑ لگا کر دیکھو

وقت جیسی ہی کوئی چیز ہوں میں بھی بلراج
دیکھنا چاہو تو مجھ کو بھی گنوا کر دیکھو

⊙⊙⊙

نظم

سندِ افتخار

وہ ایسی ہی
بے چاندسی ایک شب تھی
کہ بستی سے ملحق
پہاڑی میں نصب ایک چٹان میں تھی
قبیلے کے معبودِ اعظم کی ترشی ہوئی
دیو قد مورتی
عورتیں جس کے قدموں میں بیٹھی
رجز گا رہی تھیں۔
وہیں ایک جانب
الاؤ کے اطراف میں
حلقہ باندھے کھڑے تھے
قبیلے کے لوگ
اپنے ہاتھوں میں تلواریں ، نیزے لیے،
جو ہمیں دیکھ کر چیخنے لگ گئے تھے خوشی سے،
پھر ان سب نے تلواریں لہرائیں

اور
ہبائے ارغواں کے پیالے
خوشی سے ہوا میں اچھالے،
کہ یہ خیر مقدم تھا ہم فاتحوں کا، جیالوں کا
جن کے بدن کے لبادوں پہ
چھینٹے تھے تازہ لہو کے....
لہو............
دشمنوں کے لہو سے سنی جن کی تلواریں تھیں
اور چہروں پہ تھی
فتح اور کامرانی کی غیرت، چمک اور تفاخر
مجھے یاد ہے
جب الاؤ کی اس خیرہ کن روشنی میں
اٹھائے تھے کاہن نے ہاتھ آسماں کی طرف
ایک سناٹا چاروں طرف چھا گیا
اور پھر
وہ بڑی دیر اونچے لحن میں،
عسیر التلفظ سے الفاظ میں
التجا خیر و برکت کی کرتا رہا
دیوتاؤں سے، معبود اعظم سے
پھر ڈھول بجنے لگے
اور نیزے ہوا میں اچھلنے لگے
فتحیابی کے نعروں کے
بڑھتے ہوئے جوش کے شور محشر میں

بجتے رہے ڈھول، تاشے، نگاڑے بہت دیر،
لوگوں پہ آنے لگا وجد اور حال،
آنکھیں نکلنے لگیں اپنے حلقوں سے باہر،
تشنج میں کھنچنے لگے ہونٹ سب کے
کسی لطف وحشی کی امید اور پیش بینی میں
پھر ایک اک کر کے لائے گئے،
رو بہ رو سب کے،
قربان گہ میں
وہ مفتوح دشمن قبیلے کے
خوش بخت
مشکیں کسے قیدی جن کو
اسی لمحۂ مختصر کے لیے،
ہم نے زندہ رکھا تھا،
کہ معبود اعظم پہ قربان کر کے انہیں
ایک تو ہم بھی ہو جائیں گے سرخرو
اور انہیں
موت کے بعد مل جائے گی جاوداں زندگی،
جس کا وعدہ کیا تھا صحیفوں میں معبود اعظم نے
پھر دستۂ قتل ترتیب پایا
کہ جس میں مجھے بھی سعادت ملی تھی
مجھے یاد ہے
یہ بڑی بات تھی ان دنوں
(آج بھی یہ بڑی بات ہے)

میری تلوار کے ایک ہی وار نے
سر کو تن سے جدا کر دیا
(کتنی سسکاریاں سرسرانے لگی تھیں فضا میں)
کئی گردنوں سے فوارے ابلنے لگے خون کے
اور پھر
اس لہو میں ملائی گئی تھی خصوصی مقطر شراب
اور پھر
اس مئے ناب سے
ہم نے معبود اعظم کو غسل مقدس دیا
اور پھر
دستۂ قتل کے سب اراکین پر
اصطباغی مئے ناب چھڑکی گئی
اور بطل جلیل ان کو مانا گیا
جن میں شامل تھا میں
اور پھر
اپنے معبود کی بارگاہی میں
ہم جب ہوئے سر بہ زانو
تو کاہن نے وعدہ لیا تھا
کہ ہم
اپنے معبود اعظم کی
توقیر و عظمت و تعظیم اور برتری کو
یقینی بنائیں گے،
پھیلائیں گے خوف ان کی صفوں میں

نظریات جن کے نہیں ہم سے ملتے،
کہ ہم
اپنے اجداد کی سب غلط کاریوں،
ان کی مثبت (و منفی) روایات کا
حاسدانہ تحفظ کریں گے
کہ معبودِ اعظم نے
ہم کو، فقط ہم کو
برتر بنایا ہے......
یہ بھی
کہ ہم گیت لکھیں گے
اپنے قبیلے کی تعریف وتوصیف میں
عین اسی وقت
خودرفتہ لوگوں نے
کلکاریوں ، سیٹیوں اور چیخوں کے
چڑھتے سروں میں دکھایا تھا
تائید کا جوش وخروش
(آج تک جو اسی شد ومد سے ہے قائم)
مجھے یاد ہے
ڈھول بجنے لگے،
جام اچھلنے لگے،
مے برسنے لگی،
رقص ہوتا رہا،
آگ جلتی رہی،

رات ڈھلتی رہی،
اور ساری حسیں سلب کر کے،
بہالے گئیں جسم و جاں کو،
کئی اشتعالی بوئیں
جو فضاؤں میں تھیں مرتعش

اور
وحشی پر اسراری اشتہائیں،
سلگنے لگیں جسم و جاں میں

اور آخر میں حسب روایت

الاؤ کے بجھنے سے پہلے ہی
دشمن قبیلے کی دوشیزائیں
ہم نے آپس میں تقسیم کر لیں
مگر دستۂ قتل کو فوقیت دی گئی

یہ کہ
وہ سب سے پہلے
کنواری حسینائیں
اپنے لیے حسب خواہش کریں منتخب
اور لے جائیں
جب بھی، جہاں بھی، جسے بھی وہ چاہیں۔
وہ ایسی ہی بے چاندسی ایک شب تھی۔

یہ ویسی ہی
بے چاندسی ایک شب ہے

میں دشمن قبیلوں پہ
شب خون کی
اک مہم کو سر انجام دیتے ہوئے ،
لُوٹتے ،
ٹوٹتے معبدوں کو گراتے ہوئے ،
گھر جلانے سے پہلے
کنواری حسیناؤں سے
اخذ کرتے ہوئے لذت جبر
اور نرخرے کاٹ کر،
خوں کے فواروں کو چھوٹتے دیکھ کر،
قہقہہ بار ہوتے ہوئے،
راہ چلتے ہوؤں کو
بموں سے اڑاتے ہوئے،
مارتے، کاٹتے
لوٹ کر آرہا ہوں
کہ میرے قبیلے کے معبود اعظم کی
تکریم،
اجداد کی عظمتیں،
ان کی فکری وراثت،
روایات،
جیسی بھی جتنی بھی ہیں،
دوسروں کی نظر میں رہیں لازم و محترم
آج بھی میں اسی وعدے کو

ویسی ہی استقامت، تسلسل سے اور جانفشانی سے
تب سے نبھاتا چلا آرہا ہوں

مگر میری خدمات کے
اعتراف وعقیدت میں
میرا قبیلہ
مجھے کب کرے گا عطا
سندِ افتخار
اور
اِنعام کارِ نمایاں بہ کلِ زیست
سے سرفراز؟

⊙⊙⊙

غزل

ربط بڑھتا ہے آنے جانے سے
ملتے رہنا کسی بہانے سے

تم کہو تو جہاں سے اٹھ جائیں
یوں نہ اٹھیں گے ہم اٹھانے سے

بھولی بسری پڑی ہیں کچھ یادیں
اور کچھ زخم ہیں پرانے سے

ہوتا رہتا ہوں میں یوں ہی ناراض
مان بھی جاتا ہوں منانے سے

ک روایت کے پاسباں ٹھہرے
ہم ہیں وابستہ اک گھرانے سے

وہ نومبر کی دلنشیں راتیں
یہ دسمبر کے دن سہانے سے

دوستوں پر یقیں کرو بلراج
باز آجاؤ آزمانے سے

⊙⊙⊙

غزل

آؤ گے اور جاؤ گے بھائی
تم بھی کتنا نبھاؤ گے بھائی

مٹھیوں میں سمیٹ کر مجھ کو
چٹکیوں میں اڑاؤ گے بھائی

اتنی ہمدردی ، اتنا اپنا پن
جیسے تم بھی رلاؤ گے بھائی

اپنی اپنی سنا رہے ہیں سبھی
کچھ تو میری سناؤ گے بھائی

آئینہ ہی دکھائے جاتے ہو
پھول کب تک چڑھاؤ گے بھائی

یاد اتنا ہی آئے گا بلراجؔ
جتنا اس کو بھلاؤ گے بھائی

⊙⊙⊙

غزل

ہر کسی کو نہ آزمایا کرو
میں جو کہتا ہوں مان جایا کرو

دل میں کافی جگہ بچی ہے ابھی
تم نئے زخم ڈھونڈ لایا کرو

پھول آہٹ سے سہم جاتے ہیں
تتلیو ننگے پاؤں آیا کرو

آؤ دل کے چراغ سے کھیلیں
میں جلاؤں گا تم بجھایا کرو

بے وفائی کی داستاں جانم
تم نے لکھی ہے تم سنایا کرو

دفن کر کے صداؤں کو بلراجؔ
اپنی خاموشیاں نبھایا کرو

⊙⊙⊙

غزل

مل گئی آپ سے نظر یوں ہی
اب تو ہونا ہے در بدر یوں ہی

ہو نہ جائے یہ کائنات تمام
وقت بہتا رہا اگر یوں ہی

کچھ تو اُس کا بھی فائدہ ہوگا
کون دیتا ہے بال و پر یوں ہی

زندگی کے لئے فنا ہونا
کس کو آتا ہے یہ ہنر یوں ہی

پانچواں ہے فساد کا موسم
پھیلتا جا رہا ہے ڈر یوں ہی

کوئی تو انتظار میں ہو گا
لوگ جاتے نہیں ہیں گھر یوں ہی

ابر آ کر چلا گیا بلراج
دیکھتا رہ گیا شجر یوں ہی

⊙⊙⊙

غزل

یاد آتا ہے وہ بھی ایک زمانا تھا
یوں ہی ملنا جلنا آنا جانا تھا

شور شرابہ، رنگ برنگے پہناوے
میلے ، باجے گاجے، ہنسنا گانا تھا

کتنے راجے ،کتنے راج گھرانے ہیں
ایک تھا راجہ ، ایک ہی راج گھرانا تھا

کسی بہانے ایک طرف سب آ نکلے
ورنہ کس نے کس کا ساتھ نبھانا تھا

اپنی اپنی ڈفلی ، اپنا اپنا راگ
ایک وطن تھا جب تو ایک ترانا تھا

گاؤں میں معلوم ہوا جھگڑے کے بعد
نئی خبر والا اخبار پرانا تھا

دعوت نامہ ایک ضروری رسم سہی
آ ہی گئے وہ لوگ کہ جن کو آنا تھا

ندیاں، نالے، سبزہ اور جنگل بلراؔج
ہم درویشوں کا بھی ٹھور ٹھکانا تھا

⊙⊙⊙

غزل

میری آنکھوں پہ ہر اک رات نہ یوں بھاری ہو
نیند آتی ہے تو آجائے یا بیداری ہو

ٹوٹنے اور بکھرنے کا تماشہ ہی سہی
اب کے جو ضرب مرے دل پہ پڑے کاری ہو

میں یہی سوچ کے اپنوں سے چھپا پھرتا ہوں
کہ انہیں مجھ سے، مجھے ان سے نہ بیزاری ہو

جا بہ جا جسم پہ زخموں کے نشاں باقی ہیں
کیا پتہ زیست کوئی داؤ کبھی ہاری ہو

ایک بے نام کمی کا ہے مسلسل احساس
تشنگی ہو یا ترے قرب کی سرشاری ہو

ایک اک کر کے گذرتے رہے کردار سبھی
دیکھئے اب کسی منظر میں مری باری ہو

میں تو لے دے کے بسا سکتا ہوں اک شہر جہاں
غم کے بازار میں خوشیوں کی خریداری ہو

لوگ الفاظ میں بارود بھرے بیٹھے ہیں
میری آواز میں بلراج نہ چنگاری ہو

⊙⊙⊙

غزل

جاتے ہوئے موسم کے اشاروں میں کہیں ہوں
کہتے ہیں کہ آئندہ بہاروں میں کہیں ہوں

ویسے بھی مرا کوئی پتہ ہے نہ ٹھکانہ
بے ہوش کہیں ہوں تو خماروں میں کہیں ہوں

ممکن نہیں شیشے میں مجھے کوئی اتارے
آوارہ خیالات کی ڈاروں میں کہیں ہوں

دنیا نے کچھ ایسے مجھے منظر سے نکالا
سنتا ہوں کہ اب میں بھی ستاروں میں کہیں ہوں

اتنا تو یقینی ہے کہ رہتا ہوں یہیں پر
پھولوں میں نظر آؤں کہ خاروں میں کہیں ہوں

بلراؔج نہ دیکھ ایسی حقارت سے کسی کو
میں بھی تو انھیں وقت کے ماروں میں کہیں ہوں

⊙⊙⊙

نظم

مرے گناہ سبھی

دعائیں آپ کی ہیں بد عائیں میری ہیں
جفائیں آپ کا حق ہے وفائیں میری ہیں
خلوص و دوستی اور اعتماد و پاسِ قرار
یہ لغزشیں ہیں مری یہ خطائیں میری ہیں
صلیب و زہر روا ہوں یا سنگساری ہو
یقیں کرو کہ یہ ساری سزائیں میری ہیں
ہر ایک سانس مری لائقِ سزا ٹھہری
ہر ایک بات مری قابل دست اندازی
طویل تر ہوئی جاتی ہے فرد جرم مری
شکست و ریخت معانی ہو یا زباں سازی

وضاحتوں میں گئی عمر آیا یومِ حساب
میں کب نہیں تھا جواب کے ہوا ہوں زیرِ عتاب

جو آفتاب لب بام ہے تو ہو جائے
جو شب گرفتہ فلک کا نظام ہو جائے

تو حرف گیروں کو اک اذن عام ہو جائے

کہاں سے لوح کروں اور کہاں سے موئے قلم
شریک جرم نہیں کوئی ہم نگاہ نہیں
مرے مدار میں حائل کسی کی راہ نہیں

نظر میں یاس رہے دل میں پیاس رہنے دو
کہیں کسی کو قرین قیاس رہنے دو
میں ایک ذرہ زمیں بستہ ہوں کہاں جاؤں
مجھے یہیں پہ کہیں آس پاس رہنے دو
کوئی نہ لے مرے الزام اپنے سر بلراج
مرے گناہ سبھی میرے پاس رہنے دو

⊙⊙⊙

غزل

بات اچھی کریں تو پھول کریں
ورنہ کانٹے ہمیشہ بھول کریں

کیوں نہ گلیوں میں گھومیں آوارہ
دعوت گمرہی قبول کریں

کچھ سزا کا جواز ہی بن جائے
ایک دن ہم بھی کوئی بھول کریں

یوں ہی رونے لگیں، ہنسیں یوں ہی
کام اکثر بہت فضول کریں

ہم بھی نیلام ہو رہیں بلراجؔ
اپنی قیمت کبھی وصول کریں

⊙⊙⊙

غزل

خشک پتوں کی یہ مجبوری طرفداری نہیں
آندھیوں کے ساتھ ہو لینے میں دشواری نہیں

اب تو سر پر آسماں ہی بوجھ سا لگنے لگا
ان دنوں دیوار و در سے اتنی بے زاری نہیں

تم نے کیسے اپنی دنیا سے الگ جانا مجھے
میرے حصے میں بھی بے ہوشی ہے سرشاری نہیں

بس یوں ہی بیٹھے بٹھائے دھک سے رہ جاتا ہے دل
زندگی پہلے کبھی ایسے تھکی ہاری نہیں

اب کے ہیں بلراؔج جو دشمن قطار اندر قطار
ان میں تو ایسی کسی سے دوستی یاری نہیں

⊙⊙⊙

غزل

چھاؤں پیڑوں میں تو پتوں میں ہوائیں رکھنا
اور ممکن ہو تو ساون میں گھٹائیں رکھنا

مرے حصے میں کچھ ایسی بھی خطائیں رکھنا
مجھ پہ لازم رہے دامن میں خزائیں رکھنا

ٹوٹ جائے نہ کہیں شہر خموشاں کا فسوں
زیب دیتا نہیں ہونٹوں پہ صدائیں رکھنا

مل ہی جائیں گے طلبگار ہزاروں اے دوست
مری خاطر ہی بچا کر نہ دعائیں رکھنا

روشنی ساری اندھیرا ہی نگل جاتا ہے
آج کل ہاتھ میں مشکل ہے شعائیں رکھنا

پھر کوئی فکر کے صحرا میں نہ بھٹکے بلراج
ڈھونڈ کر اپنے لیے ایسی سزائیں رکھنا

⊙⊙⊙

غزل

اپنا مطلب چن لینا
میں جو بولوں سن لینا

تیری خبر ملتی ہی نہیں
میری بھی سن گن لینا

مجھ کو دینا تیز اساڑھ
اپنے لیے پھاگن لینا

سچ کا جھوٹ بناتے ہو
تانا بانا بن لینا

کانٹوں سے ملنا پہلے
اور پھولوں کو چن لینا

جب بھی جینا ہو بلراج
کوئی نیک شگن لینا

⊙⊙⊙

غزل

پھر جنوں کوئی مرے سر میں سمائے نہ کہیں
میں صدا دوں تو وہ دہلیز پہ آئے نہ کہیں

اس سے ملتے ہی نظر اپنی جھکا لیتا ہوں
مجھ سے مل کر وہ نظر اپنی چرائے نہ کہیں

کتنی چاہت سے بچا رکھے ہیں آنسو میں نے
یہ خزانہ بھی مری آنکھ لٹائے نہ کہیں

زندگی اور مرے بیچ کشش ایسی ہے
پاس بھی آ نہ سکے دور بھی جائے نہ کہیں

چھا رہا ہے در و دیوار پہ شفاف سکوت
کوئی آواز کا ذرہ بھی گرائے نہ کہیں

اس لیے میں کبھی آتا نہیں اس کی زد پر
وہ رلانے کے لیے مجھ کو ہنسائے نہ کہیں

ہو تو جاؤں میں کبھی اس کے حوالے بلراجؔ
ڈر یہی ہے کہ وہ مجھ کو بھی گنوائے نہ کہیں

⊙⊙⊙

غزل

پیڑ گھنا سایا دیتا ہے
کیا لیتا ہے کیا دیتا ہے

ایسا جادوگر ہے کوئی
صبح سے شام بنا دیتا ہے

کون سجاتا ہے گل بوٹے
اور پھر رنگ اڑا دیتا ہے

کوئی ہنسائے ہنس لیتا ہوں
روتا ہوں جو رلا دیتا ہے

آنکھیں جب بھی دیکھنا چاہیں
صحرا پھول کھلا دیتا ہے

خوشبو ہیں بلراج کی باتیں
جسم و جاں مہکا دیتا ہے

⊙⊙⊙

نظم

قوس

وہی ہیں درد، وہی غم، مسرتیں ہیں وہی
وہی فراق کی دوری ہے قربتیں ہیں وہی
محبتیں ہیں وہی اور تہمتیں ہیں وہی
جنونِ عشق کے اعزاز و نعمتیں ہیں وہی

وہی ہیں خوف، وہی ڈر ہیں، وحشتیں ہیں وہی
حقیقتیں بھی وہی ہیں صداقتیں ہیں وہی
تعلقات بھی ویسے، عداوتیں ہیں وہی
نشیب بھی ہیں وہی اور رفعتیں ہیں وہی

جمود بھی ہے وہی اور وسعتیں ہیں وہی
وہی ہے لہو ولعب، ناؤ نوش، ہاؤ ہو
وہی قدیم مشاغل ہیں، فرصتیں ہیں وہی
کہانیاں بھی وہی ہیں کہاوتیں بھی وہی

کہ حرف ولفظ وبیاں کی نزاکتیں ہیں وہی

وہی زمیں ہے، وہی آسماں، جہاں ہے وہی
کرائے دار بدل جاتے ہیں مکاں ہے وہی

--

گھڑے گھڑائے وہی واقعے فسانے میں
بہ جز مرے تو نیا کچھ نہیں زمانے میں

⊙⊙⊙

غزل

زمیں سے آسماں کی جانب لپکتے رہنا
کبھی کبھی نشۂ خودی میں بہکتے رہنا

کسی کے نقش قدم پہ چلنے میں کیا رکھا ہے
تلاش میں اپنے راستے کی بھٹکتے رہنا

تمام شب آنکھ سے برستی رہے گی شبنم
گلاب سانسوں میں بھر کے دن بھر مہکتے رہنا

دھڑکتے رہنا کسی کے دل کا قرار بن کر
کسی کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتے رہنا

کبھی تو بلراؔج ریزہ ریزہ چٹان ہو گی
مگر ضروری ہے قطرہ قطرہ ٹپکتے رہنا

⊙⊙⊙

غزل

قصہٴ مختصر
ایک لمبا سفر

کتنا سر سبز ہے
خواہشوں کا شجر

نفی اثبات کے
مرحلوں سے گزر

ہے کہاں ہے کہاں
میرا گھر میرا گھر

ان دنوں کچھ نہیں
ان دنوں کی خبر

چھوڑ بلراجؔ ضد
آئینے میں اتر

⊙⊙⊙

غزل

کچھ بہکتے جایئے اور کچھ سنبھلتے جایئے
جیسے بھی ہو وقت کی زد سے نکلتے جایئے

اپنے اپنے آسماں میں ہو گئے ہم آفتاب
صبح ہوتے ہی نکلیے ، شام ڈھلتے جایئے

کچھ اجالے کے لیے جل ہی گیا دامن اگر
ہم کہاں کے ہو گئے سورج کہ جلتے جایئے

سب بدلتے جا رہے ہیں اپنی اپنی منزلیں
ہو سکے تو آپ بھی رستہ بدلتے جایئے

خود فریبی کے لئے بلراج کچھ لازم نہیں
کوئی بھی صورت نظر آئے بہلتے جایئے

⊙⊙⊙

غزل

بن مانگے برہا کی راتیں تم جانو
میں کیا جانوں اپنی باتیں تم جانو

وصل کی رت میں اتنی یادیں اتنے غم
کس موسم میں کیا سوغاتیں تم جانو

جانے کب تک گھر آنگن میں ٹھہریں گی
بیتے لمحوں کی باراتیں تم جانو

شب بھر آنکھیں جلتی بجھتی رہتی ہیں
جاگی نیندوں کی خیراتیں تم جانو

ہم یوں ہی بلراؔج ملائیں ہاں میں ہاں
ذکر ہے کس کا، کس کی باتیں تم جانو

⦿⦿⦿

غزل

سیڑھی سے چوبارے آ
میرے چاند ستارے آ

دن خاموش گزر جائے
لمبی رات پکارے آ

گزر گیا طوفان کوئی
کس کی راہ نہارے آ

کچھ خوشیاں ہیں میرے پاس
اے قسمت کے مارے آ

مجھ کو لے جا بھکشا میں
جوگی بن کر دوارے آ

کوئی نہ دیکھے راہ مری
کوئی نہ مانگ سنوارے آ

پیا ملن کی رت آئی
لوٹ کے اے بنجارے آ

کس کی یادوں میں بلراج
تنہا وقت گزارے آ

⊙⊙⊙

غزل

کیا خوشی اور کیا غمی ہو گی
آنکھ میں یوں ہی کچھ نمی ہو گی

تم سے مل کر اداس رہنا ہے
اب یہی شرط لازمی ہو گی

رنگ قوس قزح کے ابھرے ہیں
کوئی بارش کہیں تھمی ہو گی

تم مجھے یوں بھلا نہ سکتے تھے
میری چاہت میں کچھ کمی ہو گی

دن، مہینے بھی طے ہوئے بلراجؔ
اب ملاقات موسمی ہو گی

⦿⦿⦿

نظم

ڈر

پھٹی پھٹی سی نگاہوں سے تک رہے تھے سبھی،
نسیں تنی تھیں، رگ جاں پھڑک رہی تھی۔
اچانک دلوں کی دھڑکنیں
سر میں دھمکنے لگتی تھیں،
قطب نما نہ کوئی بادنما اور نہ مرغ بادنما
ہوائیں، آندھیاں، طوفان برف وباراں،
تمام اہل صفت اشک شوئی کرتے رہے،
وہ عارفانہ تجاہل،
دعائے خیر،
خودکشی تھی کہ دانستہ اختناق اب کسے معلوم،
بتا رہا مگر آج کا آثار فروش
سبھی کو خوف تھا افشائے راز کا ورنہ
اندھیرا ڈھل جاتا۔
پکارتا کوئی سم سم
تو در بھی کھل جاتا

⊙⊙⊙

غزل

میں نے جس دن تجھے بھلایا تھا
مجھ کو تیرا خیال آیا تھا

تُو نے اک پھول پر نظر کی تھی
میں گلستاں سمیٹ لایا تھا

پھر نظر میں تھی ایک پرچھائیں
پھر تعاقب میں کوئی سایا تھا

مجھ سے ایسے ملے تھے تم جیسے
میں تمہارا نہیں ، پرایا تھا

بات کیا تھی جو آج یاد نہیں
جس نے پہروں مجھے رلایا تھا

ایک بلراؔج ہی تو اپنا ہے
ورنہ سب کچھ یہاں پرایا تھا

⊙⊙⊙

غزل

میرا چہرہ زرد رہنا چاہیے
اور وہ ہمدرد رہنا چاہیے

اس کی نازک اُنگلیاں ماتھے پہ ہوں
میرے سر میں درد رہنا چاہیے

پاس جب آئے کوئی شعلہ بدن
جسم اپنا سرد رہنا چاہیے

میٹھی میٹھی آگ جلتی ہی رہے
ہلکا ہلکا درد رہنا چاہیے

میں پریشاں ہو کے ڈھونڈوں رات دن
وہ آوارہ گرد رہنا چاہیے

اس لئے بلراجؔ سے ہے دوستی
کوئی تو ہمدرد رہنا چاہیے

⊙⊙⊙

غزل

ایک وعدہ ترا وفا نہ ہوا
اس زمانے میں ورنہ کیا نہ ہوا

ہم کسی کو بھی خوش نہ کر پائے
کون ہم سے کبھی خفا نہ ہوا

صورت حرف لب پہ رہتا ہوں
لفظ بن کر کبھی ادا نہ ہوا

جانے کیسی بہار آئی ہے
زخم اب کے کوئی ہرا نہ ہوا

زندگی یوں جدا جدا سی رہی
موت کا خوف بھی ذرا نہ ہوا

آپ اپنی مثال ہیں لیکن
ہم سا بلراج دوسرا نہ ہوا

⊙⊙⊙

غزل

کھا لیے غم اور آنسو پی لیے
جب ہمیشہ کے لیے لب سی لیے

اپنی شرطوں پر یہاں جیتا ہے کون
جتنا مر سکتے تھے اتنا جی لیے

ڈھونڈتا ہے اک سلام شوق انہیں
چند لمحوں کی شناسائی لیے

سو جا اے بچے یہ آہٹ بم نہیں
فاختہ ہے دھان کی ٹہنی لیے

مرحلہ بلراؔج یہ بھی آ گیا
بھیڑ میں رہتا ہوں تنہائی لیے

⊙⊙⊙

غزل

مری ہی نیندیں ہیں سر پھری سی تو خواب بدنام کیوں نہ ہوتے
میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں تو مجھ پہ الزام کیوں نہ ہوتے

طویل شب کے سفر میں ان سے ہزار باتیں کہی سنی ہیں
بھلاتے کیوں میری آہٹیں منتظر در و بام کیوں نہ ہوتے

مرے ہی پاؤں سے دل کی اندھی مسافتوں کو مناسبت تھی
مرے تعاقب میں واپسی کے ہزاروں پیغام کیوں نہ ہوتے

انہیں اسی خود سپردگی نے دو ایک پل زندگی عطا کی
وہ روشنی کے غلام سائے تھے وہ سیہ فام کیوں نہ ہوتے

دھواں دھواں دیکھتے ہو بلراج، کوئی منظر نہ کوئی صورت
نظر کی حد بندیاں اگر ہیں دلوں میں کہرام کیوں نہ ہوتے

⊙⊙⊙

غزل

یوں وفا کا قرض اتارا کیجئے
جیت کر بھی ان سے ہارا کیجئے

جب زمینیں پاؤں کے نیچے نہ ہوں
آسمانوں کا نظارہ کیجئے

رک گئے دنیا کے سارے سلسلے
ایک ہلکا سا اشارہ کیجئے

دیر تک دل میں رہے اک شور سا
ایسی نظروں سے پکارا کیجئے

اب یہاں پہچانتا کوئی نہیں
کیسے اس گھر میں گزارا کیجئے

مٹ گئیں بلراج امیدیں تمام
آرزوؤں سے کنارا کیجئے

⊙⊙⊙

نظم

اعراف

تم اس زمیں کو زمیں ہی رہنے دو
زمیں............
جہنم کا اور جنت کا مظہر اشتراک ہے،
یہ کہ اک حسیں امتزاج ہے
جس میں
پیار والفت کے میٹھے چشمے بھی،
نفرتوں کے ابلتے آتش فشاں بھی،
گل بھی ہیں خار بھی،
گلستاں بھی ہیں ریگزار بھی ہیں،
بلندیاں بھی ہیں،
پستیاں بھی ہیں،
دھوپ چھاؤں کا،
رات دن کا تضاد بھی ہے
یہاں کہ ہیں
دلخراش چیخیں بھی،
اور خوشیوں کے چند نغمے بھی۔

سلسلے یوں ہی
رکتے چلتے ہیں،
لوگ ایسے ہی
ہنستے روتے ہیں،

آسماں کی کرامتوں کو بھی،
اپنے ہونے کے المیے کو بھی
جھیلتے ہیں۔

زمین تخلیقِ کائناتی کا مرحلہ ہے،
گناہ لازم
یا شہر اضداد ہو بھی سکتی ہے ،کون جانے۔
زمین جنت نہ بن سکے گی
زمیں جہنم نہ بن سکے گی
زمیں کی اعرافی حیثیت میں ہی
اس کی عظمت بھی مختفی ہے۔
تم اس زمیں کو زمیں ہی رہنے دو۔

⊙⊙⊙

غزل

گمان لمحہ، کبھی وہم لازوال ہوئے
نگاہ اہل خرد میں کہاں بحال ہوئے

نہ جانے کیسے بنائی گئی ہے یہ دنیا
نہ اس کی شکل نہ صورت نہ خدو خال ہوئے

روا قرار ہوئی جب سے ہم پہ مشق ستم
نشانہ باز کئی صاحب کمال ہوئے

نظارہ کوئی تو عکس نظارہ اور کوئی
اس اعتبار سے ہم آئینے میں بال ہوئے

تماشہ گر ہے تماشائی بھی تماشہ بھی
ظہور و کشف مناظر ہی جب محال ہوئے

یہاں قیام نہیں کرتے آج کل بلراجؔ
کوئی زمانہ ہوا ان کا انتقال ہوئے

⊙⊙⊙

غزل

ہر قدم ایسا امتحان لیا
زندگی ہم نے تجھ کو مان لیا

اپنی سوداگری بھی خوب رہی
یہ زمیں دے کے آسمان لیا

مجھ کو ثابت بھی کر دیا مجرم
اور پھر میرا ہی بیان لیا

آہٹیں جب سنیں صداؤں کی
ہمیں خاموشیوں نے آن لیا

وہ بھی کیسا جہان تھا بلراؔج
جس کے بدلے میں یہ جہان لیا

⊙⊙⊙

غزل

مرا بدنام ہو جانا ترا مشہور ہو جانا
چلو طے ہو گیا اک دوسرے سے دور ہو جانا

سبب یہ ہی نہ ہو ہاتھوں سے خنجر چھوٹ جانے کا
نظر ملتے ہی قاتل سے مرا مشکور ہو جانا

ادا یہ بھی قیامت سے کسی صورت نہیں ہے کم
وہ تیرا آئینے میں دیکھ کر مغرور ہو جانا

یہ میری شرط تھی کوئی نہ اب ساحل پہ ڈوبے گا
مرا ہی ڈوبنا ہے شرط کا منظور ہو جانا

خزاؤں نے لگا رکھے ہیں گھر میں مستقل خیمے
کبھی دیکھا نہ تھا موسم کا یوں مجبور ہو جانا

وہ بے چینی تمہاری اور جادو میرے ہاتھوں میں
کہ چھوتے ہی تمہارے جسم کا سنطور ہو جانا

مری تنہائیوں کے بن گئے بلراج افسانے
کوئی بن باس کہتا ہے کوئی مفرور ہو جانا

⊙⊙⊙

غزل

اک حد امتیاز سے باہر نہ آ سکے
بے شک کہ ہم کسی کے برابر نہ آ سکے

جیسے کوئی یہ شرط روا ہم پہ کر گیا
دنیا ملے تو راستے میں گھر نہ آ سکے

یہ انتہا بھی دیکھ میرے اعتبار کی
شیشہ پہن لیا ہے کہ پتھر نہ آ سکے

کرتا بھی کوئی پرسش احوال کس طرح
الزام کتنے ہیں جو میرے سر نہ آ سکے

بلراؔج گردشوں کو ایسے زاویے ملیں
زد میں کبھی حیات پلٹ کر نہ آ سکے

⊙⊙⊙

غزل

عجیب سلسلوں میں ہم نے زندگی تباہ کی
ثواب کی ہیں تلخیاں نہ لذتیں گناہ کی

ہنسے تو میں بھی ہنس پڑوں وہ چپ رہے تو چپ رہوں
لکھی گئیں مرے لئے صعوبتیں نباہ کی

کہاں غروب ہونے دیں دکھوں کے آفتاب کو
یہ دل کی حکمرانیاں یہ سلطنت نگاہ کی

ندامتوں کے زردرو چراغ جھلملا اٹھے
ہزار داغ دے گئی تلاش گاہ گاہ کی

⊙⊙⊙

غزل

چاند کو چھو لیں ستاروں سے شناسائی کریں
خواب کی تجسیم ممکن ہو تو بینائی کریں

کیوں اساطیری ہی کرداروں میں ہم ڈھونڈیں نجات
آج کیوں ہم پھر سے باتیں دیومالائی کریں

اپنے ہونے یا نہ ہونے کا پتہ چلتا نہیں
کتنی اونچائی پہ جائیں کتنی گہرائی کریں

کوئی پیغمبر نہ آئے گا صحیفوں نے کہا
راہ دیکھیں کس کی ہم کس کی پذیرائی کریں

کتنے لمحوں کی صداؤں سے نپٹنا ہے ابھی
کتنے ہنگاموں سے ہم گذریں کہ تنہائی کریں

بجھ رہی ہے آگ رشتوں کی تو کچھ آرام ہے
برفباری ہو تو ہم بھی جشن سرمائی کریں

کتنی ہیں بلراؔج نامعلوم سی کیفیتیں
کن محاذوں پر لڑیں کب تک صف آرائی کریں

⊙⊙⊙

نظم

مٹی کے موسم

بدلتے ہوئے موسموں سے مجھے ہے شکایت
کہ دہراؤ کا یہ تسلسل بھی
بے رنگ یکسانیت کے سوا اور کیا ہے۔
کہ مٹی کے موسم،
وہی گرمیاں ، سردیاں
اور خزائیں بہاریں
جو یکساں تناسب سے
مجھ کو پکاریں۔
بدلتے ہوئے موسموں سے مری التجا ہے
اگر ہو سکے تو مرے گھر کے آنگن میں
ہر روز ایسی شعائیں اتاریں
جو پہلے کی ساری شعاؤں سے ہوں مختلف اور نئی،
میری آنکھوں میں بھر دیں نئے رنگ
جو سات رنگوں کی فہرست میں بھی نہ ہوں۔
رات دن کا یہ لا انتہا سلسلہ،

اپنے چہرے پہ
ان سات رنگوں کی
بے رنگ سی یہ نقاب اوڑھ کر،
ایسی یک رنگیٔ زندگی،
موسموں کے بدلتے تناظر میں
کب تک چھپائے گا۔

⊙⊙⊙

غزل

بر لب سنگ آستاں نکلی
جان نکلی مگر کہاں نکلی

لفظ شوق بیاں نے ڈھونڈ لیے
اور لفظوں سے داستاں نکلی

تب کہیں جا کے ایک آنسو گرا
اب کہیں آ کے اک فغاں نکلی

ہم نے جتنا عزیز رکھا اسے
زندگی اتنی بے اماں نکلی

آسماں نے جو رحم برسایا
تو زمیں کتنی مہرباں نکلی

آپ بیتی سمجھ رہے تھے جسے
ایک روداد دو جہاں نکلی

کارواں تھا نکل گیا بلراجؔ
اور پھر گرد کارواں نکلی

⊙⊙⊙

غزل

مری آنکھوں میں ہے تصویر کیسی
ہوئی خوابوں کی یہ تعبیر کیسی

مرے پیروں میں کیسی بیڑیاں ہیں
مرے ہاتھوں میں ہے زنجیر کیسی

مجھی سے منہ چھپائے پھر رہی ہے
مری لکھی گئی تقدیر کیسی

لیے پھرتا ہوں یہ پیغام کس کا
مرے ہونٹوں پہ ہے تحریر کیسی

یہاں میرے سوا کوئی نہیں ہے
مجھے بخشی گئی جاگیر کیسی

تو کیوں لگنے لگا بلراجؔ اپنا
تیری باتوں میں ہے تاثیر کیسی

⊙⊙⊙

غزل

مرے بارے میں وہ اگر لکھے
جو بھی لکھنا ہو بے خطر لکھے

شہر کا شہر اس کے نام سہی
مرے حصے میں ایک گھر لکھے

ہے اگر اتنا اختیار اسے
دھوپ کے دشت میں شجر لکھے

ایک پل کی ہے داستاں لیکن
کوئی لکھے تو عمر بھر لکھے

وہ نکل جائے سرخرو ہو کر
سارے الزام میرے سر لکھے

کون بلراؔج کو تلاش کرے
کون بلراج کی خبر لکھے

⊙⊙⊙

غزل

ٹھہر اے گردشِ افلاک یہ کیسی ڈگر آئی
دلوں کے درمیاں اک ارضِ فاصل سی نظر آئی

نہ جانے کیسا غم اندر ہی اندر کھائے جاتا ہے
اچانک بے ارادہ ہنستے ہنستے آنکھ بھر آئی

نہیں، یوں ہی وہ کوئی ٹوٹتا روشن ستارہ تھا
گھڑی بھر کو لگا جیسے کوئی امید بر آئی

کسی کو بھولنے کی کوششوں میں عمر بھر روئے
کسی کی یاد جب آئی بہ رنگِ چشمِ تر آئی

کوئی منزل نہیں، رختِ سفر کچھ بھی نہیں بلراؔج
چلے بے سمت ہم تو پھر کوئی بھی رہگزر آئی

⊙⊙⊙

غزل

دن سے رات لڑی ہوتی
یوں ہی شام پڑی ہوتی

کوئی دن اچھا ہوتا
کوئی نیک گھڑی ہوتی

اک دن کوئی پرچھائیں
رستہ روک کھڑی ہوتی

دکھتی رگ اپنی اپنی
خود سب نے پکڑی ہوتی

کچھ بھی کہہ دیتا بلراجؔ
اس کی بات بڑی ہوتی

⊙⊙⊙

غزل

گھڑی وہ آ ہی گئی انتظار ختم ہوا
کہ اپنے آپ سے میرا فرار ختم ہوا

مرے بغیر ہے کوئی نہ میں کسی کے بغیر
یقیں ہوا تو نظر کا غبار ختم ہوا

شکست اس سے بڑی زندگی میں کیا ہوگی
کہ آج سب پہ مرا اعتبار ختم ہوا

پڑے رہے وہیں بے یار مدتوں یوں ہی
جب اپنا وقت سر رہگذار ختم ہوا

یہ غم نہیں ہے کہ موت آ گئی مجھے بے وقت
یہ غم ہے زندگی پہ اختیار ختم ہوا

مرے خمیر میں وہ کشمکش رہی بلراجؔ
میں بار بار بنا بار بار ختم ہوا

⊙⊙⊙

نظم

وصل

ترے بدن سے جو خوشبوئیں پھوٹتی دیکھوں

بکھرنے لگتا ہے سب کچھ سنورنے لگتا ہے
ابھرنے لگتا ہے سورج اترنے لگتا ہے
مرے لہو میں جنوں رقص کرنے لگتا ہے

حرارتوں کے سمندر میں کھو گیا ہوں میں
پگھل کے آتشی سیال ہو گیا ہوں میں
جو انجماد کو پہنچا تو سو گیا ہوں میں

نظر میں کچھ بھی نہیں عکس منظری نہ غبار
دل و نگاہ میں باقی ہیں وسعتیں نہ حصار
یہ کوئی لذت اقدس ہے یا ثواب گناہ
وہ ایک لمحۂ خوابیدہ لمحۂ بیدار

⊙⊙⊙

غزل

کچھ ابد یا ازل نہیں ہوتا
آج ہوتا ہے کل نہیں ہوتا

تیر لگتا ہے جب نشانے پر
کوئی موقع محل نہیں ہوتا

کئی ایسے سوال بھی ہوں گے
جن کا کوئی بھی حل نہیں ہوتا

جب شرائط پہ دستخط ہو جائیں
کوئی رد و بدل نہیں ہوتا

ہم ہیں مردہ پرست صدیوں سے
ہم سے رد عمل نہیں ہوتا

میں جنہیں سینچتا رہا بلراج
ان درختوں پہ پھل نہیں ہوتا

⊙⊙⊙

غزل

پیڑوں کے آس پاس پرندے بسایئے
پھولوں کو خوشبوؤں کی کہانی سنایئے

کھڑکی پہ سہمی سہمی کھڑی منتظر سی رات
کمرے میں آ نہ پائے گی بتی بجھایئے

اکیسویں صدی میں ضروری نہیں ہیں گھر
مندر بنایئے کہیں مسجد بنایئے

مٹی بھی جلتے جلتے کہیں ہو نہ جائے راکھ
تھوڑی لگایئے کہیں تھوڑی بجھایئے

پتے گریں گے جب تو نئی رت بھی آئے گی
بلراج زور زور سے شاخیں ہلایئے

⊙⊙⊙

غزل

تنہائی کا درد اکیلے سہتے ہو
تم یادوں کی کس دنیا میں رہتے ہو

حد نظر تک ساری نشیبیں دیکھ چکے
دریا ہو تو کون سی جانب بہتے ہو

جب معنی کے پکے کمرے ملتے ہیں
کیوں لفظوں کے شیشہ گھر میں رہتے ہو

اپنی اپنی دنیا ہے بلراجؔ یہاں
میں کچھ سنتا ہوں اور تم کچھ کہتے ہو

⦿⦿⦿

غزل

کیا برا تھا جو یوں ہی عمر گنوانی ہوتی
دشت امکاں میں کہیں خاک ہی چھانی ہوتی

مل نہ پائے گا اسے کوئی کرائے پہ مکاں
میں ہوں فانی تو مری آرزو فانی ہوتی

پھونک کر سحر مجھے کر دیا اس نے بے ہوش
رات کو جیسے کوئی رسم نبھانی ہوتی

چھیڑ کر ذکر مرا کر دیا ناراض اسے
نام میرا ہی سہی، اس کی کہانی ہوتی

تم تو دن رات سجاتے ہو سبھی کے بلراج
مرے حصے میں بھی اک شام سہانی ہوتی

⊙⊙⊙

غزل

اپنی نظروں میں بے نقاب ہوئے
ہم اسی واسطے خراب ہوئے

کیا اندھیرا ہی رات ہوتا ہے
نیند آئی نہ کوئی خواب ہوئے

ہم انہیں یوں سجائے رہتے ہیں
زخم جیسے کھلے گلاب ہوئے

زندگی کیسے جرم کی ہے سزا
کن سوالوں کا ہم جواب ہوئے

مہربانی بھی کچھ رہی اس کی
ظلم بھی ہم پہ بے حساب ہوئے

آج کل رات بھی ہے دن جیسی
اب ستارے بھی آفتاب ہوئے

ہر کسی سے تعلقات ترے
ہر کسی کے لیے عذاب ہوئے

ایک دن لا پتہ ہوا بلراجؔ
ایک دن لوگ کامیاب ہوئے

⊙⊙⊙

غزل

ہزار سرگوشیوں کے سایوں میں کھیلتی کائنات گزرے
کبھی تو آوارہ خوشبوؤں کے ہر ایک پہلو میں رات گزرے

مجھے یہ ڈر ہے کہ میری آواز کے جزیرے نہ ڈوب جائیں
ہمیشہ صحرا میں آہٹوں پر عجیب سے حادثات گزرے

کنواری معصوم خواہشیں ڈولیوں میں بیٹھی ہیں سج سجا کر
امید کی مہندیاں نہ اتریں ، نہ چاہتوں کی برات گزرے

میں تارہ تارہ تمہارے وعدوں کے بکھرے جلووں کو چن رہا ہوں کسی
بہانے تو نیند آئے ، کسی بہانے تو رات گزرے

قرار پائے مرے گماں سے بھی آگے بلراجؔ میری منزل
تلاش کا سلسلہ نہ ٹوٹے سفر سفر میں حیات گزرے

⊙⊙⊙

نظم

اگر

میں اپنی موت کے فرماں پہ دستخط کرلوں
پھراس کے بعد
جہاں چاہو لے چلو مجھ کو،
کسی نباض کے پاس
جو نبض چھوتے ہی بے اختیار چیخ اٹھے:
'یہ کائنات کو اپنی نظر سے تکتا ہے،
یہ اپنی کھال میں رہتا ہے،
کہ اس کو عارضۂ آگہی بھی لاحق ہے

میں ذہن و دل سے روابط کو منقطع کرلوں
پھراس کے بعد جہاں چاہو لے چلو مجھ کو،
کسی جراح کے پاس
جو میرے جسم، مرے ذہن و دل،
مرے شعور کی

پرتیں ادھیڑ کر رکھ دے،
جو خوردبین سے

رگ رگ کا تجزیہ کر کے کہے کہ
ہر ایک شے مرے اندر کی
مختلف ہے،
نئی ہے جس سے
جمودِ زیست بہ یک لمحہ ٹوٹ سکتا ہے

جہاں کہو گے
چلوں گا....... مگر ذرا ٹھہرو
میں فکر چھوڑ دوں ادراک منجمد کر لوں،
میں ذہن و دل سے روابط کو منقطع کر لوں،
میں اپنی موت کے فرماں پہ دستخط کر لوں

⊙⊙⊙

غزل

میں حقیقت ہوں اگر مجھ کو فسانہ کر لے
زندگی اب تُو کہیں اور ٹھکانہ کر لے

یا تو آ جاؤں گا حالات کی زد میں خود ہی
یا تو پھر وقت مجھے اپنا نشانہ کر لے

جب بھی وہ چاہے مِرے حال کا حصہ بن جائے
ورنہ یہ ہے کہ مجھے گزرا زمانہ کر لے

پھول کھلنے کا وسیلہ بھی کوئی ہو جاناں
مسکرا کر ذرا موسم تو سہانا کر لے

یہ اگر طے ہے تجھے اور کہیں جانا ہے
مجھے بے سمت سفر پر ہی روانہ کر لے

نہیں ملنے کے بہانے تو ہیں لاکھوں بلراجؔ
اور ملنا ہے اگر ایک بہانہ کر لے

⊙⊙⊙

غزل

آتش عشق میں اس طرح دھواں ہو جاؤں
لب کشائی بھی نہ ہو اور بیاں ہو جاؤں

تجھ سے بچھڑوں تو بھٹک جاؤں ہواؤں کی طرح
اور مل جاؤں تو بے سمت و نشاں ہو جاؤں

تُو جو چاہے تو یقیں بن کے ترے دل میں رہوں
ورنہ اک پل میں ترا وہم و گماں ہو جاؤں

سلسلہ کوئی رکے میرے بنا اور نہ چلے
کہاں مٹ جاؤں بتا اور کہاں ہو جاؤں

سب کی ہمدردیاں لذت کی طلب ہیں بلراجؔ
کاش ایسا ہو کہ میں درد نہاں ہو جاؤں

⊙⊙⊙

غزل

کچھ بھی ہو سبب چاہے اشکوں کی روانی کا
احسان بہت ہے اس بہتے ہوئے پانی کا

پھر ہم بھی زمانے کو ہنستے نہ نظر آئے
کیا مول چکایا ہے اک شام سہانی کا

آغاز کے بارے میں کچھ رائے ہی مانگی تھی
دنیا نے تو لکھ ڈالا انجام کہانی کا

پھولوں سے وہ چہرے تھے بلراج حسینوں کے
وہ دن تھے بہاروں کے وہ دور جوانی کا

⦿⦿⦿

غزل

منتظر ہوں میں کہ اب کوئی پکارے گا مجھے
یہ جنوں کتنے مراحل سے گزارے گا مجھے

کیا کہوں وہ لمحہ کیسا امتحاں لے گا مرا
کوئی میرا نام لے کر جب پکارے گا مجھے

آج شاید میری وہ قیمت نہیں ہے کھیل میں
ایسا لگتا ہے کہ وہ دانستہ ہارے گا مجھے

کٹ نہ جائے میرا رشتہ ہی زمیں سے ایک دن
کس بلندی پر وہ لے جا کر اتارے گا مجھے

جانے مجھ میں ڈھونڈنا چاہے گا وہ کس بات کو
پہروں میرے پاس بیٹھے گا نہارے گا مجھے

تیرتا پھرتا ہے خوں میں ایک انجانہ سا ڈر
ایسا لگتا ہے کوئی شبخون مارے گا مجھے

ایک طوفاں منتشر بلراج ایسے کر گیا
دوسرا طوفان ہی آ کر سنوارے گا مجھے

⊙⊙⊙

غزل

کون کہتا ہے میں جاگا بھی نہیں ان کے لیے
خواب ایسے تھے میں سویا ہی نہیں جن کے لیے

زندگی پہلے تو کروائیں خطائیں تُو نے
اور پھر بدلے لیے ہم سے تو گن گن کے لیے

اس سلیقے سے گزرتا ہے یہاں وقت کہ اب
اشک ہیں شب کے لیے اور ہنسی دن کے لیے

ہم نے اس بار تسلیٔ جہاں کی خاطر
ڈوبتے وقت سہارے کے لیے تنکے لیے

مری رسوائی نے راغب کیا جس کو بلراجؔ
دل تڑپنے لگا اس کافرِ کمسن کے لیے

⊙⊙⊙

غزل

کہیں بھی زندگی اپنی گزار سکتا تھا
وہ چاہتا تو میں دانستہ ہار سکتا تھا

زمین پاؤں سے میرے لپٹ گئی ورنہ
میں آسمان سے تارے اتار سکتا تھا

مرے مکان میں دیوار ہے نہ دروازہ
مجھے تو کوئی بھی گھر سے پکار سکتا تھا

جلا رہی ہیں جسے تیز دھوپ کی نظریں
وہ ابر باغ کی قسمت سنوار سکتا تھا

پُر اطمینان تھیں اس کی رفاقتیں بلراج
وہ آئینے میں مجھے بھی اتار سکتا تھا

⊙⊙⊙

نظم

اے زمیں!

اے زمیں اے زمیں تیری زرخیزیاں
تیری خونریزیاں اور دلآویزیاں

ریگزاروں میں ہے آبشاروں میں ہے
عظمتوں کا نشاں کوہساروں میں ہے
تیری تقدیس کا آفتاب آئینہ
تیری پاکیزگی چاند تاروں میں ہے
رنگ و گل زیوروں سے ہے آراستہ
حسن تیرا خزاؤں بہاروں میں ہے
چھرگئی نظر منظروں کی امیں
اک نظارہ ترے سب نظاروں میں ہے

سست رفتاریاں ، جست انگیزیاں
اے زمیں اے زمیں تیری زرخیزیاں

فاصلے ممکنات و محالات میں
اک توازن سا نفی و اثبات میں
یاس و امید کی باہمی کشمکش
گلشن آرزو دشت آفات میں چشم
افلاک میں وحشتوں کی صدا
خوشبوئیں ذہن و دل کے نواحات میں
جلوہ سامانی خورشید و ظلمات میں

تیری شب ناکیاں اور سحر خیزیاں
اے زمیں اے زمیں تیری زرخیزیاں

میں کہ پروردۂ ہفت گردش سہی
زندگی تیرا اعجاز و بخشش سہی
سعیٔ منظوم ہو یا مفاجات ہو
اجزا و عنصرات ایک سازش سہی
تیری زیبائشوں میں مرا خوں بھی ہے
شش جہت از روئے خود پری وش سہی
زادۂ خاک ہے پاسبان نمود
ہمکنار مکافات خواہش سہی

میری شادابیاں ، درد انگیزیاں
اے زمیں اے زمیں تیری زرخیزیاں

میں عروجی ہوا میں زوالی رہا
غربی، شرقی ، جنوبی ، شمالی رہا
بارگاہ خودی میں نہ تھا سرخرو
تیرے آگے بھی ادنیٰ و عالی رہا
تو نے اپنے خزانے سے کیا کیا دیا
دست انساں ہمیشہ سوالی رہا
عقل و دانش سے جیسا بھی سرزد ہوا
رشتۂ جان تجھ سے مثالی رہا

نالہ افشانیاں ، رقص انگیزیاں
اے زمیں اے زمیں تیری زرخیزیاں
موت کے سائے میں زندگانی کروں
دھوپ کے دشت میں سائبانی کروں
اپنے ہونے کی کوئی شکایت نہیں

نوحہ خوانی کروں ، گلفشانی کروں
غمزہ و ناز و انداز تیرے سہوں
قہر افلاک کی میزبانی کروں

خوش مزاجی کو لافانیت بخش دوں
درد دل جاوداں ، غیرفانی کروں
ساحلوں پہ سفینے ڈبوتا رہوں
ڈوبتی کشتیاں بادبانی کروں

دونوں لازم ہیں محکومی و سرکشی
میں اطاعت کروں ، حکمرانی کروں
میں ترا عکس ہوں ، تیرا آئینہ ہوں
تیرے ہر رنگ کی ترجمانی کروں

تو کہ ہے برف رو، تو کہ ہے آتشیں
پھر بھی تیری حضوری میں میری جبیں
اے زمیں، اے زمیں ، اے زمیں، اے زمیں

⊙⊙⊙

غزل

اپنے آپ سے ڈر جانا
اور چپ چاپ گزر جانا

تھوڑی دور تو ساتھ چلو
اگلے گھاٹ اتر جانا

سایا کتنا اچھا ہے
اک دن دھوپ نگر جانا

بعد میں کون سناتا ہے
اپنی باتیں کر جانا

وہ تو خالی کمرے تھے
میں نے جن کو گھر جانا

شائید کوئی آ جائے
تھوڑی دیر ٹھہر جانا

کتنا اچھا لگتا ہے
ڈوبنا اور ابھر جانا

شاخیں، پتے کچھ بھی نہیں
پھر بھی ایک شجر جانا

چلتے چلتے آ پہنچے
دنیا ایک سفر جانا

جھانک گئی میرے اندر
جس کو ایک نظر جانا

اس میں سوچنا کیا بلراجؔ
تم بھی اک دن مر جانا

⊙⊙⊙

غزل

وہی حالات ہیں لیکن میں اب مضطر نہیں ہوتا
کسی مچھلی کو جیسے ڈوبنے کا ڈر نہیں ہوتا

غریبی، بھوک، اور قرضوں کی فصلیں پھر یقینی ہیں
کِساں کی خودکشی سے کھیت تو بنجر نہیں ہوتا

یہ جادو سیکھنا میرے لئے بے حد ضروری تھا
میں کمرے میں تو ہوتا ہوں مگر گھر پر نہیں ہوتا

زیادہ بن رہے ہیں عارضی رشتے سہولت کے
ڈرائیونگ سِیٹ پہ ہر بار اب شوہر نہیں ہوتا

کہیں آدھار، ووٹر آئی ڈی ہے، سی سی ٹی وی ہے
کہ یعنی اب کوئی راڈار کے باہر نہیں ہوتا

نئے آداب مجلس جب سے لاگو ہو گئے بلراج
یہاں شانوں پہ اب دستار والا سر نہیں ہوتا

⊙⊙⊙

غزل

طوفاں ہے تو تھم جائے، دریا ہے اتر جائے
وہ صبح کا بھولا ہے اب شام کو گھر جائے

اک دست ہنر مانگے اب شوقِ جنوں میرا
آرام ہی آئے گا جاتا ہے تو سر جائے

کانٹا ہے تو کم سے کم اک آبلہ پا ڈھونڈے
گل ہے تو وہ کھل جائے، خوشبو ہے بکھر جائے

بن جائے نہ عادت ہی وہ اتنا قریب آ کر
نظروں میں جو رہتا ہے دل میں نہ ٹھہر جائے

بینائی اگر دی ہے منظر بھی دیا ہوتا
رہ رہ کے پلٹتی ہے جس سمت نظر جائے

بلراؔج یہ چھوٹی سی معصوم سی خواہش ہے
دن رات میں ڈھل جائے اور رات گزر جائے

⦿⦿⦿

غزل

جب بھی میں گمرہی سے ملتا ہوں
ایک تشنہ لبی سے ملتا ہوں

عین اسی وقت اندھیرا ہوتا ہے
جب بھی میں روشنی سے ملتا ہوں

لوگ شک کی نظر سے دیکھتے ہیں
جب بڑی سادگی سے ملتا ہوں

دشمنی خود سے کوئی خاص نہیں
بس یونہی بے رخی سے ملتا ہوں

کتنے حیلوں حوالوں سے بلراجؔ
ایک نیلم پری سے ملتا ہوں

⊙⊙⊙

غزل

رنگ چہرے پر کئی آنے لگے جانے لگے
جانے کیا یاد آ گیا ان کو وہ شرمانے لگے

ہم سہارے کی انہیں کیسے نہ کرتے پیشکش
وہ حیا سے یا ادا سے ایسے بل کھانے لگے

ایک دن اس نے اچانک یوں نگاہیں پھیر لیں
ہم اچانک بھیڑ میں تنہا نظر آنے لگے

راستہ اپنا نظر آیا نہیں دن میں جنہیں
رات آئی تو ہمیں ہی راہ دکھلانے لگے

ہو گئے بلراؔج ہم ان کے حوالے ایک دن
وار کرنے والے اتنے جانے پہچانے لگے

⊙⊙⊙

غزل

اس طرح آنسوؤں سے بیاں ہو گئی
بات چھوٹی سی تھی داستاں ہو گئی

میں ستارے سجانے لگا تو زمیں
دیکھتے دیکھتے آسماں ہو گئی

گھر وہی ہے مگر راستے اور ہیں
ایک دیوار سی درمیاں ہو گئی

وقت کی تیز رفتاریاں دیکھ لو
پھر بہار آتے آتے خزاں ہو گئی

ایک جھونکا سبھی کچھ اڑا لے گیا
ساری محنت مری رائگاں ہو گئی

چھپتی پھرتی ہے بلراجؔ کس خوف سے
زندگی کس لیے بے نشاں ہو گئی

⊙⊙⊙

نظم

تعزیت نامہ

سنا ہے تم مرگئے ہو
لیکن میں کس طرح
اپنے غم، (مسرت کا)
رسمی اظہار کرسکوں گا کہ میں تو
لفظوں کی آزمایئش سے
آج بھی سرخرو نہیں ہوں۔

مگر.....
کہ تم منتظر ہو میں کچھ کہوں
تمہاری فرشتگی، نیکیوں، تقدس کی
جس سے تکفیل ہو،
گواہی ملے۔
سبھی جانتے ہیں تم
کینہ پروری میں کمال رکھتے تھے۔
سچ تو یہ ہے تم اتنے خوش دل

یا پاک طینت کبھی نہ تھے
اور میں ثنا گر نہیں ہوں جو
اب تمہاری تقریظ میں
سمندر کو خشک کر دوں
یا آسماں سے جواز مانگوں
وجوہ مانگوں تمہاری ہجرت کے۔
میں تو وہ ہوں کہ تم سے وابستہ
زندگی کے تمام اوراق پھاڑ دوں گا
تمہارے آسیب و روح پر بھی
ہمیشہ نفریں کروں گا، لیکن
میں تم کو جنت نشین ہونے کی
کوئی رسمی دعا بھی دینے سے منحرف ہوں

میں جانتا ہوں یہ بات کہنا درندگی ہے
مگر یہ سفاک و تلخ سچ ہے
کہ میری دنیا تمہارے بن
مطمئن ہے، خوش ہے بہت سکھی ہے

⊙⊙⊙

نظم

بوجھ

مرے ہاتھ میں
میری ان لغزشوں کے نتائج ہیں
جو ،
تجربے دوسروں کے
مری پیٹھ پر لاد کر
لوگ چابک کو لہرائے ،
تو مجھ سے سرزد ہوئی تھیں

⊙⊙⊙

غزل

میں صاف کہہ دوں کسی کو اگر برا نہ لگے
خدا وہ ہو نہ ہو لیکن مجھے خدا نہ لگے

ہماری سادگی ہے اور کچھ ہنر اس کا
وفا بھی وہ نہ کرے اور بے وفا نہ لگے

یہ معجزہ ہے کہ محفل میں بے رخی پہ تری
سبھی خفا ہیں مگر کوئی بھی خفا نہ لگے

سنبھال رکھے ہیں اس طرح سات پردوں میں
مجھے بھی میرے کسی خواب کی ہوا نہ لگے

نہ حرف آئے مری وضعداری پر بلراج
بیان حال ہو ایسے کہ التجا نہ لگے

⊙⊙⊙

غزل

میں خدو خال اپنے کھو رہا ہوں
کہ شاید کچھ نیا سا ہو رہا ہوں

نہ کوئی حال و مستقبل ہے میرا
فقط ماضی ہے جس کو ڈھو رہا ہوں

مجھے اک خواب کی دستک ہوئی تھی
اسی کا منتظر ہوں ، سو رہا ہوں

وہ میری مسکراہٹ پر فدا ہیں
میں اپنے قہقہوں میں رو رہا ہوں

سوال آزادیٔ اظہار کا ہے
سر رہ میلے کپڑے دھو رہا ہوں

بہت ہوں مطمئن بلراج بخشی
ابھی سویا تھا ، اب تک سو رہا ہوں

⊙⊙⊙

غزل

دل سہارے تلاش کرتا ہے
زندگی پاش پاش کرتا ہے

دسترس جسم پر تو ہے اس کی
روح پر بھی خراش کرتا ہے

طنز ہوتا ہے اس کی آنکھوں میں
جب مرے راز فاش کرتا ہے

کسی کروٹ بھی خوش نہیں بلراجؔ
رات بھر کاش کاش کرتا ہے

⊙⊙⊙

غزل

سوالوں کے جوابوں میں تو آئے
وہ ہم خانہ خرابوں میں تو آئے

مجھے مدہوش ہی رکھے ہمیشہ
نشہ بن کر شرابوں میں تو آئے

بسانا ہے نظر میں ، دل میں جس کو
وہ چہرہ میرے خوابوں میں تو آئے

ثوابوں میں جسے آنا نہیں ہے
سزاؤں کے عذابوں میں تو آئے

اگر ڈر ہے اسے رسوائیوں کا
وہ سو پردوں ، حجابوں میں تو آئے

جو امکاں سے پرے ہے ایک پیکر
وہ کم سے کم سرابوں میں تو آئے

سبھی بلراجؔ جس کے منتظر ہیں
بیاں ہو کر کتابوں میں تو آئے

⊙⊙⊙

غزل

تم نے جو اتنا ستم ہم پہ روا رکھا ہے
پوچھتے ہو کہ یہ کیا حال بنا رکھا ہے

مرحلہ اب کسی دستک کا بھی درپیش نہیں
تمہیں آنا ہے تو دروازہ کھلا رکھا ہے

بارہا بچ کے جو نکلے تو یہ معلوم ہوا
داؤ پر زندگی نے ہم کو لگا رکھا ہے

ہم ہیں جب سننے سنانے کی حدوں سے آگے
آسماں لوگوں نے کیوں سر پہ اٹھا رکھا ہے

ہم نے دنیا کو تو دنیا نے بھی ہم کو بلراج
خس و خاشاک کی مانند اڑا رکھا ہے

⊙⊙⊙

غزل

فریب کتنے سلیقے سے کھا رہے ہیں ہم
کہ بار بار تمہیں آزما رہے ہیں ہم

یہ طے ہوا تھا کہ ماتم رہے گا دونوں طرف
بزرگ کر گئے وعدہ نبھا رہے ہیں ہم

عجیب شوق ہے اجداد کو بدلنے کا
کسی کا ماضی ہے اور بوجھ اٹھا رہے ہیں ہم

ہوا کسی کی، کوئی ڈور، آسمان کوئی
پتنگ کس کی نہ جانے اڑا رہے ہیں ہم

غضب کی روشنی دیتا ہے آندھیوں میں بھی
چراغ کب کا بجھا دل جلا رہے ہم

اجڑتے ہیں تو اجڑنے دے آشیاں بلراج
درخت کاٹ کے گھر ہی بنا رہے ہیں ہم

⊙⊙⊙

نظم

تشنگی

راستے ختم ہوئے
فاصلے باقی ہیں ابھی۔
ایک ہی چھت کے تلے، ایک ہی بستر میں
تم مرے پاس تو ہو،
مری سانسوں میں الجھتی ہیں تمہاری سانسیں،
میرا ہی عکس تراشیں گی تمہاری آنکھیں،
تم مرے جسم کے ہر راز سے واقف ہو مگر
جسم کے خول کے اندر بھی کوئی دنیا ہے
درد پلتا ہے جہاں،
روح بکھری ہے جہاں،
چاندنی آگ اگلتی ہے جہاں۔
سینکڑوں سوئے ہوئے خواب
جلے جاتے ہیں اس چاہت میں
کہ کوئی پیار بھرا لمس جگا دے ان کو
کوئی مضراب سے چھیڑے ان کو،

لوٹ لے آبروان کی لیکن
قیدِ تنہائی سے دلوائے نجات۔

یہ مگر ہو نہ سکا۔
تم مجھے لے تو گئے اپنے قریب
تم مرے پاس نہ آپائے کبھی۔
تشنۂ لمس مرے خواب رہے ہیں اب تک
روح بکھری ہے ابھی،
چاندنی آگ اگلتی ہے ابھی،
منجمد ہو بھی گئی تہ در تہ درد کی برف،
عمر گزری ہے اسے جمنے میں،
وقت بیتے گا پگھلنے میں اسے،
ایک ساعت میں کسی روز
اچانک یوں ہی
تم چھوؤ گے تو گرادو گے اسے؟
درد اک ریت کا ٹیلہ تو نہیں

نظم

فیصلہ

مری ہم رقص کوئی دوسرا ساتھی چن لے
یہ نہیں ہے کہ مجھے تجھ سے محبت ہی نہیں
تُو مری عمر کی کاوش کا صلہ ہے لیکن
ترے احساس الگ ہیں مرے افکار الگ
ترا انداز جدا ہے مری رفتار الگ
تجھے ماضی کی روایات سے نسبت ٹھہری
مجھے یک رنگئ حالات سے نفرت ٹھہری
دردِ پیہم کی جواں رات کہاں تک دوگی
حسنِ دلکش کی عنایات کہاں تک دوگی
یہ حسیں جسم مرے واسطے سب کچھ تو نہیں
عارض ولب کے خرابات کہاں تک دوگی
پاؤں کمزور ہیں تم ساتھ کہاں تک دوگی

نہ سہی میری مگر اہلِ نظر کی سن لے
مری ہم رقص کوئی دوسرا ساتھی چن لے

⊙⊙⊙

نظم

دنیا بھر کے جنگبازوں کے نام

جنگبازو!
اسلحہ خانوں کے دروازے
مقفل کر کے دیکھو تو سہی
یہ آسماں کی نیلگوں وسعت،
شفق کی سرخیاں،
نوخیز سورج کی شعائیں،
بدلیاں، کالی گھٹائیں،
سبز میدانوں کی ہریالی،
سنہری بالیاں گیہوں کی،
خوشے لہلہاتے دھان کے کھیتوں میں،
بارش میں دھلے پتے،
گھنی چھاؤں درختوں کی،

سحر انگیزیاں صدرنگ پھولوں کی،
فضاؤں میں ہزاروں خوشبوؤں کا رقص لافانی،

خزاں میں جالیاں بے برگ شاخوں کی،

زمستانی ہواؤں میں
لحافوں میں چھپی وہ گرم سانسیں،
قرب کے وہ جاوداں لمحے،
یہ سارے منتظر ہیں
اک نظر تم دیکھ لو ان کو،
اگر پہچان لو ان کو
تو ان کی زیست کی تکمیل ہو جائے،
انہیں عنوان مل جائے،
کہ وہ معراج کو پہنچیں۔
ابھی رک جاؤ،
بارودی سرنگیں مت بچھاؤ۔
تم پہ لازم ہے بہاروں کا تحفظ،
پھول کی خوشبو کا متبادل نہیں بارود کی بو۔
سونگھ کر دیکھو۔
فضاؤں میں بسی ہے
خون کی کچی مہک۔
اور گدھ، چیلیں

کس قدر مسرور ہیں ، خوش ہیں،
قیامت خیز ان کا شور کیا تم سن نہیں سکتے؟
دھوئیں کے بادلوں نے،

اور بارودی دھماکوں ،

زخمیوں کی سسکیوں، چیخوں، کراہوں نے
تمہیں پتھر بناڈالا ؟

وہ دیکھو !
دور واپس گھر میں
دوشیزائیں سونی راہ پر نظریں جمائے
تھک گئی ہوں گی۔
تمہاری مائیں ، بہنیں ، دوست ، بھائی،
گھر، گلی، کوچے
تمہاری چاہ میں مر کھپ رہے ہوں گے۔
تمہارا گھر بھی تھا کوئی۔
تمہیں احساس کب ہوگا
کہ تم ہو ایشیائی سورما، یا یوروپی جانباز ہو،
تم سب بہادر ہو، سبھی غیور ہو ، جرار ہو تم سب،
بھلے ہی ہند و پاکستان کے ہو،
تم کہ امریکی، عراقی ہو یا افغانی ،
فلسطینی ہو یا اسرائیلی ہو،
سب اسی دھرتی کی مٹی سے بنے ہو،
سب یہیں کی خاک سے اٹھے ہو۔
خون آلودہ سنگینیں گھڑی بھر کے لئے چھوڑو۔

ذراسا

سبز میدانوں کی جانب دیکھ تو لو۔
گلستاں ڈھونڈو،
کہیں اک فاختہ، کوئل،
کوئی تتلی
تمہیں ہی ڈھونڈتی ہوگی۔
کہ تم ویران آنکھوں میں
سجا لو رنگ کوئی ، سنگ کوئی۔
تھک گئے ہو گے
ذرا آرام ہی کر لو،
گھڑی بھر کے لیے تم لوگ بھی جی [illegible]

⊙⊙⊙

غزل

دشمنوں میں کسے شمار کروں
اور کس کس پہ اعتبار کروں

بھولنا چاہتا ہوں میں جن کو
ذکر ان کا ہی بار بار کروں

کوئی میرا قرار بن جائے
اس لئے دل کو بے قرار کروں

تم مجھے جیسے دیکھنا چاہو
شکل ویسی ہی اختیار کروں

رنگ و خوشبو نظر نہیں آتے
کس کو شرمندۂ بہار کروں

خود کو ٹھہراؤں موردِ الزام
اک ستم گر کو سوگوار کروں

وقت کب کا نکل گیا بلراج
اور میں ہوں کہ انتظار کروں

⊙⊙⊙

غزل

کہاں عنوان ایک باب کا میں
سر ورق ہو گیا کتاب کا میں

کل بھی دارورسن مقدر تھا
آج بھی مستحق عتاب کا میں

جبکہ میرا کوئی سوال نہیں
منتظر پھر بھی ہوں جواب کا میں

جلتے رہنا ہی میری عادت ہے
کچھ نہیں لگتا آفتاب کا میں

پیر پنچال سے نکال دیا
اب توی کا ہوں یا چناب کا میں

یہاں سب جانشیں خدا کے ہیں
جانے کس خانہء خراب کا میں

بٹ چکا ہوں یہاں وہاں بے شک
پر ہمیشہ رہا جناب کا میں

نیند کس کام کی رہی بلراج
جب نہیں ہوں کسی کے خواب کا میں

⊙⊙⊙

غزل

آبروئے غزل ہو تم جاناں
شاعری کا بدل ہو تم جاناں

میں نے کیسی دعائیں کی ہوں گی
جن دعاؤں کا پھل ہو تم جاناں

شدتِ حسن کا جو ذکر ہُوا
اس کا ردِ عمل ہو تم جاناں

عشق میرا ہے آسمانی کتاب
اک مقدس رِحل ہو تم جاناں

کام آ جائیں گے کئی لشکر
ایسی جنگ و جدل ہو تم جاناں

میرا ماضی ہے گم شدہ بلراج
آج تم سے ہے کل ہو تم جاناں

⊙⊙⊙

غزل

ڈھونڈنا ہو گا پتہ اور ٹھکانہ کوئی
مجھے رونے کے لئے چاہیے شانہ کوئی

عشق میں غرق ہوا جاتا ہوں جس شدت سے
ہاتھ آ جائے گا اشکوں کا خزانہ کوئی

آج نے ایسے گریباں کو پکڑ رکھا ہے
یاد آتا ہی نہیں گزرا زمانہ کوئی

جیسے پلکوں کے کناروں پہ ٹکے رہتے ہوں
ڈھونڈھ لیتے ہیں نکلنے کا بہانہ کوئی

اب بھی کچھ لوگ ہیں باقی جو وفا کرتے ہیں
ڈھونڈتے رہتے ہیں پتھر بھی نشانہ کوئی

ہم دل و جان ہتھیلی پہ لیے پھرتے رہے
کچھ بھی لینے کو بلا شرط نہ مانا کوئی

زخم بلراج پرانے بھی ہرے ہو جائیں
کاش آ جائے مرا دوست پرانا کوئی

⊙⊙⊙

غزل

ترے انکار سے اقرار کی دوری ہے ابھی
کم سے کم ایک ملاقات ضروری ہے ابھی

وقت نے باندھ کے رکھ چھوڑا ہے ملزم کی طرح
جانے کب کس کی عدالت میں حضوری ہے ابھی

دستخط میرے ہوئے ہیں نہ تمہارے اب تک
داستاں ترکِ مراسم کی ادھوری ہے ابھی

ویسے بھی یاد بسی ہے کہیں گہرائی میں
بھولنے کی مری کوشش بھی شعوری ہے ابھی

جاتے جاتے بھی وہ مڑ مڑ کے ادھر دیکھے ہیں
جیسے بلراج کوئی بات ادھوری ہے ابھی

⊙⊙⊙

غزل

مسافروں کو بچھڑنے کا ڈر نہیں ہوتا
شریکِ راہ شریکِ سفر نہیں ہوتا

بسا ہے وہ مِری آنکھوں میں ایک ضِد کے لئے
کسی نے کہہ دیا پانی میں گھر نہیں ہوتا

خیال رکھتا ہوں احباب کا بڑی حد تک
میں ان کی سازشوں سے بے خبر نہیں ہوتا

جو برگ و شاخ ہیں مٹی کے موسموں کے بغیر
درخت وہ بھی کوئی با ثمر نہیں ہوتا

مجھے نہ کہنا دعاؤں میں یاد رکھیے گا
مِری دعاؤں میں کوئی اثر نہیں ہوتا

علاج یہ بھی کچھ اتنا برا نہیں بلراجؔ
کہ سر نہ ہوتا اگر، دردِ سر نہیں ہوتا

⊙⊙⊙

غزل

عین ممکن ہے کھنڈر میں کوئی مورت نکلے
کہیں ایسا نہ ہو تیری ہی محبت نکلے

کوئی اچھا سا شگن، کوئی مہورت نکلے
کاش اب تم سے ملاقات کی صورت نکلے

مری تنہائی نے ویرانہ بنا رکھا ہے
جان ہی جائے تو گھر سے یہ مصیبت نکلے

ایک بار اس کو جو دیکھوں تو فنا ہو جاؤں
کبھی اس راہ سے ہو کر بھی قیامت نکلے

تیری دنیا تو مکمل ہی رہی میرے بغیر
میری دنیا میں کبھی میری ضرورت نکلے

اس لئے رہتا ہوں غصے میں ہمیشہ بلراج
میرے اندر سے کبھی میری حقیقت نکلے

⊙⊙⊙

بلراج بخشی کی مضبوط و مربوط شاعرانہ منطق شعر کے
کو عقلی یا جذباتی پس منظر میں لطف انگیزی کا حامل بنا دیتی
شعر اپنی اسلوبی مفاہمت کے باعث تخئیل کو انبساط پر مرکو
قادر ہے۔ بلراج بخشی کے کتنے ہی الفاظ اور ترکیبیں ایسی
عصری حسیت کے مرکزی دائرہ انعکاس میں موجود ہیں۔ ا
انگیز فلسفیانہ اندازِ فکر اور انوکھا مگر پر اثر اظہار ان کی شاعر
اور چھلکتا نظر آتا ہے۔ ان کی جدت طرازی کا حسن محض زبا
محدود نہیں ہے بلکہ وہ اپنے خیالات اور طرزِ عمل سے بھی ا
سمعی اور حسی پیکر عطا کرتے ہیں۔

بلراج بخشی کے اشعار کی ماہیت میں ایک ج
در وا ہوتے ہیں۔ ان کے ہر رنگ میں ہر آہنگ میں سرشار
ہے اور ان کا ہر خیال تہ در تہ وسعت اور ہر احساس عمود
ساتھ ساتھ افقی روشن خیالی سے بھی مملو نظر آنے لگتا ہے۔
جدید غزل کی جمالیات سے لبریز ہیں اور نظم میں ا
خصوصیت ادبیت ہے----

کرشن کمار طورؔ، دھرم شالہ (ہماچل

بلراج بخشی کی شاعری زندگی کی بے ثباتی، ستم ظری
کی بے بسی کے ساتھ ساتھ کسی افق سے طلوع ہوتی
شعاؤں کی بھی عکاس ہے۔ انھوں نے دنیا کو ایک تجربہ گا
ہوئے آس پاس کی اُتھل پُتھل کو اپنے فکری ارتعاشات
کرنے کی کوشش کی ہے۔ انسانی معاشرے کے تشدد آ
محبت کی تقسیم کو، ٹوٹتی بکھرتی تہذیب کو اور منصبِ حیات
آڑی ترچھی لکیروں کو بلراج بخشی نے اپنی تخلیقی ہنر مند
کے پیکر میں ڈھالا ہے۔

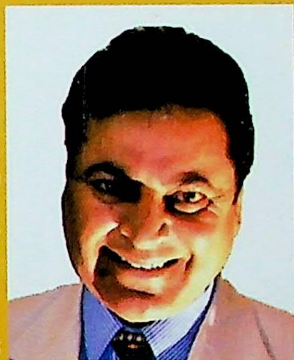
بلراج بخشی کی نظموں میں ایک اعلیٰ دانشو
آشوبِ آگہی کا شعور ہے۔ ان کا شعری اسلوب پر کشش
ہے اور اس کے باطن سے حیرت انگیز طور پر سکون بخش

MITTI KAY MAUSAM

(Poetry)

by : Balraj Bakshi
Mob.: 09419339303
E-mail : balrajbakshi1@gmail.com

کچھ شاعر کے بارے میں



بلراج بخشی اردو [illegible] شاعر، افسانہ نگار، اور ناقد ہیں جو اردو ادب کی [illegible] پر مضبوط گرفت رکھتے ہیں۔ ان کی تخلیقات [illegible] مذہبی تحفظات اور ادبی گروہ بندیوں سے ماورا ہو [illegible] زندگی کا احاطہ کرتی ہیں اور کسی نظریے یا اِزم کی مارکیٹنگ [illegible] کرتیں۔

ان کے افسانوں کا معرکتہ الآرا مجموعہ 'ایک بوند زندگی' شائع ہوکر دادو تحسین حاصل کر چکا ہے۔ اردو کے افعال واسماء کا مجموعہ 'آسانیات' ان کی دوسری کتاب ہے جو برصغیر میں اپنی نوعیت کی اولین کاوش ہے۔ زیر نظر شعری مجموعہ 'مٹی کے موسم' ان کی تیسری تصنیف ہے۔

بلراج بخشی پہلے اردو ادیب ہیں جنہیں حکومت جموں کشمیر نے 'جموں کشمیر اسٹیٹ ایوارڈ' سے سرفراز کیا ہے۔ وہ جموں کشمیر کے پہلے اردو ادیب ہیں جنہیں مرکزی وزارتِ ثقافت نے 2007 میں 2.88 لاکھ روپے کی فیلوشپ سے نوازا تھا۔ اتر پردیش اور بہار کی اردو اکادمیاں بھی بلراج بخشی کی اردو خدمات کو تسلیم کر چکی ہیں۔ جموں یونیورسٹی نے بلراج بخشی پر ایم فلز کروائی ہیں۔ انہوں نے کئی قومی اردو سیمیناروں میں شمولیت کی ہے۔ ڈی ڈی اردو، ڈی ڈی سری نگر، ڈی ڈی جموں، ای ٹی وی، نیوز 18، گلستاں ٹی وی چینل بلراج بخشی پر دستاویزی فلمیں نشر کر چکے ہیں۔

وہ جموں کشمیر کے پہلے اردو فکشن نگار ہیں جن کی تصنیف 'ایک بوند زندگی' 2016 میں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ کی فائنل جیوری تک نامزد ہو سکی ہے۔

ساحر داؤدنگری (انصاری اطہر حسین)

ISBN 93-5526419-4

OSHIN PUBLISHING HOUS